نومبر ۲۰۰۳ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

SCHOOL FOR CONTEMPORARY
AND
ISLAMIC LEARNING

SCIL

NURSERY TO O/A LEVEL

- TEFL TRAINED TEACHERS
- Computers and Visual Aids
- Nazira Quran and Tajweed
- Quranic Studies and Sirah
- Sports, Riding, Shooting
- Arts and Crafts
- Hifz
- Arabic Language

"Teaching Modern Contemporary Subjects in a progressive and Supportive Islamic environment with special emphasis on moral values and Character building".

Admissions Open
Nursery-Class 4

20A-C/3 GulbergIII
Main M.M Alam Raod, Lahore
Phone: 5712793, 5756594

VISION
FOR
TOMORROW

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد: ۵۲

شمارہ: ۱۱

رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ

نومبر ۲۰۰۳ء

فی شمارہ ۱۲/-

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

☆ اندرون ملک 125 روپے

☆ ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ 800 روپے

☆ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ 1000 روپے

توسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: 36- کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700، فون: 03-02-5869501

فیکس: 5834000 ای میل: anjuman@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67- گڑھی شاہو علامہ اقبال روڈ، لاہور

فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110

ای میل: markaz@tanzeem.org

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

✿ **عرض احوال** ____ 3

حافظ خالد محمود خضر

✿ **ظروف و احوال** ____ 4

ملکی و ملی مسائل پر امیر تنظیم اسلامی کا اظہارِ رائے

✿ **منتخب نصاب۔۲** ____ 7

بگڑے ہوئے مسلمان معاشرے میں
اسلامی انقلاب کے لئے آخری اقدام کا عنوان:
'نہی عن المنکر' اور 'حفاظت حدود اللہ' کے ضمن میں طاقت کا مظاہرہ اور چیلنج

ڈاکٹر اسرار احمد

✿ **تذکیر و موعظت** ____ 43

رمضان المبارک: نیکیوں کی نشو ونما کا موسم بہار

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

✿ **انفاق فی سبیل اللہ** ____ 47

انجینئر نوید احمد

✿ **خطوط و نکات** ____ 61

سید شہاب الدین کے دو اہم خطوط
اور ان کا جواب

ڈاکٹر اسرار احمد

✿ **دنیائے اسلام** ____ 67

جدید افغانستان

سید قاسم محمود

❀ ❀ ❀

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض احوال

رمضان المبارک اور قرآن حکیم کا باہم ایک خصوصی تعلق ہے۔ رمضان المبارک نہ صرف نزولِ قرآن کا مہینہ ہے بلکہ یہ قرآن حکیم کے ساتھ تجدید تعلق کا مہینہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اس ماہِ مبارک میں ''صیام وقیام'' کا جو دوگونہ پروگرام عطا کیا ہے اس میں قرآن حکیم کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ دن کا روزہ اور رات کا قیام اور اس میں قرآن مجید کا پڑھا اور سنا جانا رمضان المبارک کے پروگرام کی دو شقیں ہیں جن کا باہم دگر چولی دامن کا ساتھ ہے۔

بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ نے رمضان المبارک کی بابرکت راتوں کا زیادہ سے زیادہ حصہ قرآن حکیم کی معیت میں بسر کرنے کے لئے آج سے بیس برس قبل' ۱۴۰۴ھ کے رمضان المبارک میں' نماز تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام کا آغاز کیا تھا' جو دعوت رجوع الی القرآن کا اہم سنگ میل ثابت ہوا اور اسے قرآن فہمی کے ایک مؤثر ذریعے کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ دورۂ ترجمہ قرآن کے اس سلسلہ کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے نہ صرف پاکستان کے طول وعرض میں بلکہ بعض دوسرے ممالک میں بھی دورۂ ترجمہ قرآن کے حلقے قائم ہوگئے۔

حسب سابق امسال بھی لاہور' کراچی' ملتان' فیصل آباد' سرگودھا اور دیگر شہروں میں متعدد مقامات پر دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام کامیابی سے جاری ہیں۔ قرآن اکیڈمی کی جامع القرآن میں' جہاں سے بیس برس قبل اس روایت کا آغاز ہوا تھا' امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب دورۂ ترجمہ قرآن کی ذمہ داری ادا کر رہے ہیں اور طالبانِ قرآن کی ایک بڑی تعداد اس میں شریک ہو کر رات کا ایک بڑا حصہ قرآن حکیم کی معیت میں بسر کرتی ہے۔ مزید برآں یہ دورۂ ترجمہ قرآن انٹرنیٹ کے ذریعے پوری دنیا میں کہیں بھی سنا جا سکتا ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب کے دورۂ ترجمہ قرآن کے آڈیو ویڈیو کیسٹ اور کمپیوٹر CDs بھی پوری دنیا میں پھیل چکے ہیں اور اب اسے کیبل ٹی وی کے کئی چینلز بھی نشر کر رہے ہیں۔ کیا عجب کہ قرآن حکیم کے معانی ومفاہیم کی اس قدر وسیع پیمانے پر اشاعت امت مسلمہ کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کر جائے۔ وما ذلك على الله بعزيز!!

ملکی و ملی مسائل پر امیر تنظیم اسلامی کا اظہارِ رائے

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں خطاباتِ جمعہ کے آئینہ میں

(۱)

''مغربی تہذیب خدا کے روبرو ابلیس کے چیلنج کا عکاس ہے''

۳ر اکتوبر کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز

امریکی صدر بش کو پاکستان یا مسلمانوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہوسکتی' کیونکہ وہ عدل و انصاف اور اخلاق کے تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے یہود کے ایجنڈے کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہے جو اس وقت دنیا میں ابلیس کے سب سے بڑے ایجنٹ ہیں۔ شیطان جو تمام انسانیت کا اور خاص طور پر اہل حق کا سب سے بڑا دشمن ہے' وہ امریکہ اور یہود کے ذریعے غیرت ایمانی رکھنے والے مسلمانوں کو کچل دینا چاہتا ہے۔ ہمیں اس بھول میں نہیں رہنا چاہئے کہ امریکہ کی دوستی دیرپا ہوگی بلکہ جب تک وہ امت مسلمہ کے خلاف ہماری حکومت سے کام لے سکے گا تھپکی دیتا رہے گا' اس کے بعد وہ اپنی سرشت کے مطابق آنکھیں پھیر لے گا۔

ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطاب جمعہ کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا کہ آج کی مغربی تہذیب دراصل ابلیس کے اس چیلنج کی عکاس ہے جو اس نے تخلیقِ آدم کے وقت اللہ تعالیٰ کو دیا تھا کہ وہ انسانیت کو گمراہ کر کے چھوڑے گا۔ قرآن حکیم میں قصۂ آدم و ابلیس کی تکرار کے ذریعے دراصل انسانیت کو یہی پیغام دیا گیا ہے کہ وہ شیطانی ہتھکنڈوں سے بچنے کی شعوری کوشش کریں۔ لیکن افسوس کہ آج اللہ کے ماننے والوں کی ایک بڑی تعداد بھی مغربی تہذیب کی پیروی میں سود' جوئے اور بے حیائی کا راستہ اختیار کئے ہوئے ہے۔ آج بظاہر تمام وسائل و ذرائع اور سائنس و ٹیکنالوجی کی قوت شیطان اور اس کے ایجنٹوں کے قبضے میں ہے جس کا نقطۂ عروج دجالی فتنے کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ لیکن بالآخر وہ لوگ جو اللہ کی دی ہوئی ہدایت کی پیروی کرتے ہیں اور اللہ ہی کو اپنا کارساز مان کر اسی پر توکل و بھروسہ کرتے ہیں ان کی قربانیاں رنگ لائیں گی اور شیطانی و دجالی تہذیب کو شکست ہوگی۔ ہمیں آج یہ دیکھنا ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول کی

اطاعت کی روش اختیار کر کے حزب اللہ میں شامل ہیں یا اللہ کی نافرمانی کر کے حزب الشیطان کو تقویت پہنچا رہے ہیں!

(۲)

''فرقہ واریت کی آڑ میں عالمی خفیہ ایجنسیوں کا کھیل بے نقاب کیا جانا چاہئے''

۱۰/اکتوبر کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز

مولانا اعظم طارق کی شہادت کے سانحہ کو محض فرقہ واریت کا مظہر قرار دینا درست نہیں بلکہ فرقہ واریت کی آڑ میں عالمی خفیہ ایجنسیاں جو کھیل رچا رہی ہیں حکومت کو اس پر نظر رکھنا اور اسے بے نقاب کرنا چاہئے۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد دار السلام باغ جناح میں خطابِ جمعہ کے اختتام پر کہی۔ انہوں نے کہا کہ اس طرح کی کارروائیوں میں ملک دشمن بیرونی خفیہ ایجنسیاں ملوث ہوتی ہیں۔ حکومت کو ان کا توڑ کرنے کے لئے اپنے وسائل بروئے کار لانے چاہئیں۔ حکومت کی اس سے بڑی نااہلی کیا ہوگی کہ وہ ایک رکن پارلیمنٹ کی حفاظت نہیں کر سکتی' تو عوام کی حفاظت کیا کرے گی۔

امیر تنظیم اسلامی نے صدر اور وزیراعظم کے اوپر تلے دورۂ امریکہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اللہ پر بھروسہ نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں قدم قدم پر امریکہ کے سہارے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی طرح ہر دورے پر امریکہ کو مجاہدین کے خلاف کریک ڈاؤن کی صورت میں نذر و نیاز کا سلسلہ بھی انتہائی مکروہ ہے جسے بند ہونا چاہئے۔ تاہم ہمارے ان تمام مسائل کا حل یہ ہے کہ یہاں اسلامی نظام نافذ کیا جائے' اس کے بغیر ہماری داخلی اور بیرونی سلامتی ممکن نہیں۔

(۳)

''اُمّتِ مسلمہ کی موجودہ ذلت و بیچارگی دین سے غداری کی سزا ہے''

۱۷/اکتوبر کے خطابِ جمعہ کا پریس ریلیز

اُمت مسلمہ آج بحیثیت مجموعی عذابِ الٰہی کی لپیٹ میں ہے اور اسی عذاب کا نتیجہ ہے کہ ہم اپنے دشمن کے خود ہی آلہ کار اور حلیف بنے ہوئے ہیں۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد دار السلام باغ جناح میں خطابِ جمعہ کے اختتام پر کہی۔ انہوں نے کہا

کہ او آئی سی کے حالیہ اجلاس میں بلاشبہ مہاتیر محمد نے امت مسلمہ کی بہتر نمائندگی کی اور بڑی جرأت سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ یہود کے بارے میں بھی انہوں نے اس حقیقت کو خوب سمجھا ہے کہ اس وقت دنیا پر اصل میں انہی کی حکومت ہے اور امریکہ بھی یہودی ہی کے اشارے پر مسلمانوں کو مشق ستم کا نشانہ بنائے ہوئے ہے۔ البتہ مہاتیر محمد نے امت مسلمہ کے مسائل کے حل کے لئے جو مشورے دیئے ہیں وہ اگرچہ اپنی جگہ بہت اچھے ہیں لیکن جب تک اصل مرض کو پہچان کر اس کے تدارک کے لئے ٹھوس اقدام نہ اٹھائے جائیں گے کوئی مثبت اور دیرپا تبدیلی ممکن نہیں۔

حافظ عاکف سعید نے کہا کہ فریضۂ شہادت علی الناس کی ادائیگی نہ کرنے کے باعث آج امت مسلمہ پر یہ سزا مسلط کی گئی ہے کہ اپنے دشمن کو پہچانتے ہوئے بھی ہم نہ صرف اس کے خلاف زبان کھولنے کی جرأت سے محروم ہیں بلکہ اپنے ہی خلاف مہم میں اس کے ساتھ خود شامل ہیں۔ دراصل دین سے غداری کی مسلمان قوم کو دنیا میں بھی یہ سزا ملتی ہے کہ اس پر ذلت و مسکنت اور بیچارگی مسلط کر دی جاتی ہے۔ ہمارے مسائل کا حل یہ ہے کہ پوری امت اجتماعی توبہ کرے اور متحد ہو کر اللہ کے دین کو نافذ کرنے کے لئے کمر کس لے اور اپنے کردار و عمل سے دنیا کے سامنے دین کا عملی نمونہ پیش کرے تاکہ پوری دنیا پر دین اسلام کی حقانیت واضح ہو جائے۔

کل پاکستان اجتماعِ ملتزم رفقاء

25 تا 27 دسمبر 2003ء بمقام قرآن اکیڈمی، کراچی

تنظیم اسلامی کے ملتزم رفقاء سے گزارش ہے کہ وہ اس اجتماع کے لئے ابھی سے تیاری شروع کر دیں۔ ملازم پیشہ رفقاء چھٹی اور کاروباری حضرات ان ایام کے لئے متبادل انتظام کے لئے کوشش کا آغاز کر دیں۔ اجتماع کا آغاز ان شاء اللہ 25 دسمبر بروز جمعرات بعد نماز عصر ہوگا اور اختتام 27 دسمبر بروز ہفتہ نماز عشاء پر ہوگا۔ بیرون کراچی کے ذمہ دار حضرات سے گزارش ہے کہ وہ سفر کے انتظامات کی منصوبہ بندی کا آغاز کر دیں۔ سفری اخراجات کے ضمن میں اخوت باہمی کے جذبے کو بروئے کار لایا جائے۔

المعلن : اظہر بختیار خلجی، ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان

(اقامت دین کی جدوجہد کرنے والی جماعت کے اوصاف اور تنظیمی مسائل کے ضمن میں ہدایات)

درس ٦

بگڑے ہوئے مسلمان معاشرے میں اسلامی انقلاب کے لئے آخری اقدام کا عنوان: 'نہی عن المنکر' اور 'محافظت حدود اللہ' کے ضمن میں طاقت کا مظاہرہ اور چیلنج

نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم ..... امّا بعدُ:

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ..... بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾ (آل عمران:۱۰۲-۱۰۴)

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ ۖ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ

کے دین کے اس غلبے کے راستے میں مزاحم قوتوں کو چیلنج کرے گی اور اُن سے ٹکرائے گی۔ اس چیلنج اور ٹکراؤ کے نتیجے میں اگر اللہ کو منظور ہوا تو اللہ کا دین غالب ہو جائے گا' بصورتِ دیگر ایسے افراد اللہ کی راہ میں اپنی جانیں دے کر سرخرو ہو جائیں گے۔ یہ بالکل دو اور دو چار کی طرح سیدھا اور واضح راستہ ہے۔ انسان کے دل میں اگر چور ہو تو وہ جدھر سے چاہے چور دروازہ بنائے اور نکل جائے' لیکن یہ بالکل سیدھا راستہ ہے' سیدھا تصور ہے۔ اس میں کہیں جھول اور ہیر پھیر نہیں ہے' اس میں کہیں تکلف اور تصنع نہیں ہے۔

اب جہاں تک اس انقلاب کے عمل کا تعلق ہے' اس کے ضمن میں پہلی بات جس کو ہم نے نمایاں کیا ہے وہ یہ کہ یہ محض اسی راستے سے آ سکتا ہے جس راستے سے محمد رسول اللہ ﷺ نے برپا کیا تھا' جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ہے' جسے امام مالکؒ نے اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے:

"لَا یَصْلُحُ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا بِمَا صَلَحَ بِهٖ اَوَّلُهَا"

''اس اُمت (مسلمہ) کے آخری حصہ کی اصلاح محض اسی طریق پر ہو گی جس پر کہ پہلے حصہ کی ہوئی ہے''۔

دیگر تبلیغی' تدریسی' تعلیمی اور اصلاحی کام وغیرہ تو اس کے بغیر ہو سکتے ہیں' ان میں سے ہر ایک اہمیت کا حامل ہے' لیکن اگر اقامت دین اور اظہار دین الحق علی الدین کلہ کا کلی تصور سامنے ہو تو اس کے لئے راستہ سوائے اُسوۂ رسول کے اور کوئی نہیں۔ ذاتی اصلاح کے لئے اگر کوئی خانقاہی نظام پہلے کی طرح اب بھی موجود ہو اور مفید نتائج برپا کر رہا ہو تو اس کی نفی نہیں ہے۔ اسی طرح وعظ و تلقین و ارشاد کا جو سلسلہ بھی اجتماعی اور انفرادی سطح پر ہو رہا ہے' اس کی بھی نفی نہیں ہے' وہ بھی ایک خدمت ہے کہ جو ہو رہی ہے۔ دین کی تعلیم و تدریس کا کوئی کام کہیں ہو رہا ہے' وہ چاہے چھوٹے پیمانے پر ہو چاہے بڑے پیمانے پر ہو' اس کی بھی نفی نہیں ہے۔ وہ بھی ایک مفید خدمت ہے جو ہو رہی ہے۔ لیکن اگر ﴿اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ﴾ اور ﴿وَیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ کے قرآنی احکام کے

حوالے سے غلبۂ دین اور اقامت دین کا کلی تصور پیش نظر ہو کہ دین کل کا کل اللہ ہی کے لئے ہو جائے تو اس کے لئے ہمیں پوری طرح غور و فکر اور سوچ بچار کر کے اور پوری باریک بینی سے اپنی تمام ذہانت اور استعداد کو بروئے کار لا کر خالص معروضی طور پر یہ سمجھنا ہو گا کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ کام کیسے کیا! اس پر میری مفصل تقریریں تحریری صورت میں چھپ چکی ہیں۔

منہج انقلابِ نبویؐ کا حالاتِ حاضرہ پر انطباق

اب اس غور و فکر اور سوچ بچار کے دو مراحل ہوں گے۔ پہلے مرحلے میں ایک خالص معروضی مطالعہ (absolutely objective study) کرنا ہو گا کہ حضور ﷺ نے اقامتِ دین کا کام کیسے کیا۔ اس میں دو چیزیں نمایاں ہو رہی ہیں' جس کو میں نے ''سیرت'' اور ''فلسفۂ سیرت'' سے تعبیر کیا ہے۔ سیرت تو اس جدوجہد کے سلسلہ وار مراحل بتائے گی کہ آپ ﷺ نے ابتداءً یہ کیا' پھر یہ کیا' پھر یہ کیا' لیکن یہ سوال کہ ایسا کیوں ہے؟ اس کی کیا حکمتیں ہیں؟ حضور ﷺ نے پہلے یہ قدم کیوں اٹھایا؟ پھر یہ دوسرا قدم کیوں آیا؟ پہلے اور دوسرے قدم کے مابین کتنا فاصلہ ہے؟ دوسرا قدم اٹھانے کے لئے کیا شرائط ہیں' کیا لوازم ہیں' کون سے تقاضے کس حد تک پورے ہو چکے ہوں کہ اگلا قدم اٹھایا جائے گا؟ ان تمام سوالات کا واضح طور پر جواب سیرت النبیؐ میں نہیں ملتا' بلکہ یہ چیزیں ''فلسفۂ سیرت'' کے طور پر سیرت سے اخذ کرنی ہوں گی۔

دوسرے مرحلے میں ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ جس ماحول اور جس دَور میں ہم یہ کام کر رہے ہیں اس کے اعتبار سے آیا سیرت النبیؐ سے اخذ شدہ طریق کار میں ہمیں کہیں کسی تبدیلی کی ضرورت ہے؟ بجائے اس کے کہ غیر شعوری طور پر انسان زمانی اور مکانی عوامل سے متاثر ہو کر کوئی تبدیلی کر لے' اسے شعوری طور پر اس چیز کو معین کرنا چاہئے' تاکہ صغریٰ کبریٰ جوڑ کر جو نتیجہ نکالا گیا ہو اُس پر نظر ثانی بھی ممکن ہو سکے' اور برعکس نتائج نکلنے کی صورت میں یہ دیکھا جا سکے کہ آیا اس معاملے میں ہمارا صغریٰ غلط تھا یا کبریٰ غلط

تھا! ان چیزوں کو میں اپنی تقاریر میں معین کر چکا ہوں۔

اقامت دین کے لئے پہلا مرحلہ دعوت کا ہے۔ اس میں تو زمان و مکان کے تغیر سے کوئی فرق و تفاوت نہیں ہوگا' بلکہ یہ عین منہاجِ نبویؐ کے مطابق ہوگی۔ دوسرا مرحلہ تنظیم کا ہے۔ اس کے طریق کار میں صرف ایک فرق ہوگا۔ وہ یہ کہ وہاں تو تنظیم کی اصل بنیاد تھی نبی اکرم ﷺ پر ایمان' ان کی تصدیق۔ گویا جس نے آپ ﷺ کو نبی اور رسول مانا وہ مطیع ہے۔ اس کے لئے کسی اضافی بیعت کی فی الاصل ضرورت نہیں تھی۔ میرے نزدیک سیرت النبی ﷺ میں بیعتوں کا جو نظام ہمیں نظر آتا ہے وہ دراصل بعد والوں کی راہنمائی کے لئے ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا قول نہایت اہم ہے' اسے یاد رکھنا چاہئے۔ غزوۂ بدر سے قبل ہونے والی مجلس مشاورت میں انہوں نے عرض کیا تھا: اِنَّا آمَنَّا بِکَ وَصَدَّقْنَاکَ..... حضور ﷺ! آپ متردد کیوں ہیں؟ آپ شاید اِس خیال کی وجہ سے متردد ہیں کہ ہم نے بیعت عقبۂ ثانیہ میں صرف یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر مدینے پر حملہ ہوگا تو ہم آپ کی حفاظت کریں گے! لیکن ہمارے سامنے تو یہ حقیقت موجود ہے کہ ہم آپؐ پر ایمان لائے ہیں' ہم نے آپؐ کی تصدیق کی ہے' ہم نے آپؐ کو نبی مانا ہے' رسول مانا ہے۔ اب ہمارے لئے استثناء کہاں ہے؟ آپؐ جو حکم دیں گے ہم بسر و چشم اس کی تعمیل کریں گے۔ آپ ہمیں حکم دیں گے تو ہم اپنی سواریاں سمندر میں ڈال دیں گے' آپ حکم دیں گے تو ہم اپنی اونٹنیوں کو لاغر کر دیں گے' لیکن برک الغماد تک جا پہنچیں گے۔ آپؐ حکم دیجئے ہم حاضر ہیں! یہ ہے وہ اصل بات۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ تنظیم کی یہ بنیاد اَب کبھی نہیں ہو گی۔ لہٰذا اب ہمارے پاس اس کے لئے صرف ایک ہی مسنون و ماثور راستہ ہے' ایک ہی اساس اور بنیاد ہے اور وہ بیعت ہے۔ اس پر ہمارے دروس تفصیلاً ہو چکے ہیں۔

اس کے بعد تیسرا مرحلہ آتا ہے تربیت اور تزکیہ کا۔ اس میں بھی اگر ہم نے بعینہٖ وہی رُخ اختیار نہ کیا جو محمد رسول اللہ ﷺ کا ہمیں نظر آتا ہے تو اس تربیت اور تزکیے سے وہ اوصافِ مطلوبہ کبھی پیدا نہیں ہوں گے جو اقامت دین کی جدوجہد کے لئے

ضروری ہیں۔ طریقِ نبویؐ سے ہٹ کر اگر تزکیہ اور تربیت کا عمل اختیار کیا جائے تو اس میں ہوسکتا ہے کہ کچھ روحانی ترقع پیدا ہو جائے' کچھ کشف و کرامت کا زیادہ عمل دخل ہمیں نظر آنے لگے' لیکن وہ صورت ہرگز پیدا نہیں ہوگی جو ایک انقلابی جدوجہد کے لئے ناگزیر ہے۔ کشف و کرامت کی بھی نفی قطعاً نہیں ہے' لیکن دراصل جو طریقِ تربیت و تزکیہ محمد رسول اللہ ﷺ نے اختیار فرمایا ہمیں حتی الامکان اسے اختیار کرنا ہے۔ البتہ کس حد تک ہم اس طریق کار کے تقاضوں کو پورا کرسکیں گے' یہ بات دوسری ہے' اس کا تعلق کمیت سے ہے' یہ quantitative element ہے۔ لیکن اپنی امکانی حد تک معروضی مطالعہ کر کے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ اس تربیتی نظام کے کیا اجزائے ترکیبی تھے جو محمد رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں اور ہمیں اپنی امکانی حد تک اس کی پیروی کرنی ہے۔

چوتھا مرحلہ صبرِ محض (passive resistance) کا ہے۔ یہ زبانی ایذاء کے مقابلے میں بھی ہوگا' جیسے حضور ﷺ سے فرمایا گیا: ﴿فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ﴾ اور ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّکَ یَضِیْقُ صَدْرُکَ بِمَا یَقُوْلُوْنَ﴾ اور جسمانی ایذاء کے مقابلے میں بھی ہوگا' جس کا سورۃ العنکبوت میں ذکر آیا: ﴿فَاِذَا اُوْذِیَ فِی اللّٰہِ﴾۔ یہ مرحلہ بھی جوں کا توں رہے گا' یعنی زبانی اور جسمانی ایذاؤں کے مقابلے میں ثابت قدم رہنا ہے اور جوابی کارروائی ہرگز نہیں کرنی۔ اب سوال ہے کہ یہ صبرِ محض (passive resistance) کا مرحلہ کب تک رہے گا! تو جان لیجئے کہ جب تک مکمل تجزیئے کے بعد یہ رائے قائم نہ ہو جائے کہ اب ہمارے پاس اتنی قوت موجود ہے اور وہ مناسب تربیت پا چکی ہے کہ اب وہ اقدام کرے' چیلنج کرے اور اس قائم نظام کی دکھتی رگ کو کہیں سے چھیڑے' اس وقت تک یہ صبرِ محض جاری رہے گا۔

اب آگے سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس اقدام کی صورت کیا ہوگی؟ تو پہلے یہ جان لیجئے کہ اب اُس دَور میں اور اِس دَور میں بہت فرق واقع ہو چکا ہے۔ لہٰذا اب ہمارے سامنے دو عوامل کارفرما رہیں گے۔ ایک عامل یہ کہ وہاں حضور ﷺ بذاتِ خود موجود

تھے۔ آپ کا اپنا ایک مقام اور مرتبہ ہے۔ پھر یہ کہ وہاں ایک طرف مسلمان اور دوسری طرف کافر تھے۔ جو آپ پر ایمان لایا وہ مسلمان' جو ایمان نہیں لایا' وہ چاہے اپنی جگہ پر کتنا ہی نیک اور شریف آدمی ہو اور چاہے وہ موحد کامل ہی کیوں نہ ہو' وہ کافر۔ لہٰذا وہاں بالکل دوٹوک اسلام اور کفر کی جنگ تھی۔ یہاں یہ معاملہ نہیں ہے۔ یہاں بگڑا ہوا مسلمان معاشرہ ہے۔ درس کے عنوان میں اسی کو شامل کیا گیا ہے۔ یہاں سب مسلمان ہیں' شرعاً مسلمان' فقہی طور پر مسلمان۔ اور مسلمان کے کچھ حقوق ہیں۔ یہ وہ حقیقت ہے جس سے ایک بنیادی فرق واقع ہوا جس کو ملحوظ رکھنا پڑے گا۔ بعض لوگ اپنے جوشِ تبلیغ اور جذبے میں اس کو نظر انداز کر دینے کی طرف چلے گئے۔ اُن میں پھر سختی اور انتہا پسندی آئی ہے' اور یہ انتہا پسندی بہت خطرناک ہے۔ مسلمان بہرحال مسلمان ہے' خواہ کوئی فاسق ہے یا فاجر ہے' کوئی اوہام میں مبتلا ہو گیا ہے' کوئی شرکِ خفی میں مبتلا ہے' بلکہ اگر کوئی شرکِ جلی بھی کر رہا ہے لیکن اس کی کوئی تاویل کر رہا ہے' تو ان معاملات کا سارا تعلق افتاء اور قضاء سے ہے۔ ہم اپنے جوش میں آ کر انہیں مشرک' کافر یا اس طرح کا کوئی اور لقب نہیں دے سکتے۔ مسلمان بہرحال مسلمان ہے' لہٰذا یہاں اب منطقی طور پر کچھ فرق لازمی ہوگا۔

میں اس کا ہرگز قائل نہیں ہوں کہ اقامت دین صرف جمالِ روحانی یا جمالِ عقلی سے ممکن ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اقامت دین یا بالفاظِ دیگر غلبۂ دین حق کے لئے آخری مرحلہ آئے گا جس میں لازماً سر دھڑ کی بازی لگانی پڑے گی۔ اِس لئے کہ اس کا تعلق اصل میں ایک جمے ہوئے مضبوط نظام کو جڑ سے اکھیڑنے سے ہے' جس میں مختلف طبقات ہوتے ہیں' جنہیں خصوصی مراعات حاصل ہوتی ہیں اور خصوصی مفادات حاصل ہوتے ہیں۔ ان کے پاس سرمایہ ہوتا ہے جس سے وہ غنڈوں کو خرید سکتے ہیں۔ وہ اس سرمائے سے علمائے سوء کو خرید سکتے ہیں۔ لہٰذا یہاں کی جنگ بڑی پیچیدہ جنگ ہے اور اس میں جان کی بازی لگانے کا مرحلہ تو لازماً آ کر رہے گا۔ مسلمان کے خلاف ہتھیار اٹھانا اگرچہ مطلقاً خارج از بحث نہیں ہے' خصوصاً امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر دین کے

غلبے کے لئے اس کی ضرورت پیش آئے اور اس کی شرائط پوری ہوگئی ہوں تو اس کی بھی اجازت ہے' لیکن وہ شرائط بڑی کڑی اور بہت سخت ہیں۔ وہ معاملہ بہرحال نہیں ہے جو کافروں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کا ہے۔ دوسرے یہ کہ اِس دَور میں حکومتوں کے پاس وسائل' ذرائع اور قوت بے پناہ ہے اور شہری پہلے کے مقابلے میں بالکل نہتے ہیں۔ اس اعتبار سے بھی مسلمان حکومتوں کے خلاف جنگ اگرچہ ناممکن تو نہیں ہے' گوریلا جنگ ہوسکتی ہے' لیکن عملاً یہ بہت ہی مشکل ہے۔

اب ان دو حالتوں میں اقدام کے لئے ہمیں غور وفکر کر کے کوئی اور عنوان' کوئی اور راستہ اور طریقہ تلاش کرنا ہوگا۔ تو by the process of illuminition ہم جہاں پہنچے ہیں وہ ہے اصل میں اس درس کا موضوع اور اس کا عنوان۔ اب یہ راستہ اور طریقہ بھی ہمیں کہیں باہر سے نہیں تلاش کرنا۔ یہ پوری وضاحت کے ساتھ قرآن اور سنت رسولؐ میں موجود ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل وکرم ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ اسلام کے آخری اور کامل دین ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اور یہ ہے درحقیقت فریضہ ''نہی عن المنکر'' جسے قرآن وحدیث میں بہت نمایاں کیا گیا ہے۔ حدیث میں نہی عن المنکر کے تین مراتب آئے ہیں۔ ان میں سب سے اونچا مرتبہ نہی عن المنکر بالید ہے۔

نوٹ کیجئے کہ زمانے نے جہاں مسلح اقدام کو بہت ہی مشکل بنا دیا ہے وہاں زمانے نے ایک متبادل طریقہ (alternate institution) بھی پیدا کیا ہے۔ اس معاملے میں درحقیقت اس سیاسی ارتقاء (political evolution) کو سمجھنا ہوگا جو اکثر و بیشتر لوگوں کے سامنے نہیں ہے۔ انسان کے سیاسی شعور کے ارتقاء اور سیاسی اداروں کے ارتقاء سے آج یہ بات واضح ہوئی ہے کہ حکومت اور شے ہے' ریاست اور شے ہے۔ یہ بات آج سے دوسو برس پہلے بھی دنیا کو معلوم نہیں تھی۔ یہ بھی ایک اکتشاف ہے اور ایک طرح کی ایجاد ہے۔ جیسے موٹر' ریل' ہوائی جہاز جیسی مادی ایجادات ہیں ویسے ہی یہ عمرانی ایجادات ہیں۔ مادی ایجادات کا تو ہم بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں'

جبکہ بدقسمتی سے اس عمرانی ایجاد کا فہم وشعور' خاص طور پر ہمارے رجالِ دین کے طبقے ہیں' موجود نہیں ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اس کا مطالعہ نہیں کیا' یہ ان کا موضوع نہیں ہے کہ جدید پولٹیکل سائنس کیا ہے اور جدید تصورِ ریاست کیا شے ہے۔ آج کے دَور میں حکومت تو پہلے کے مقابلے میں ایک تہائی رہ گئی ہے' اصل شے اب ریاست ہے۔ شہری کی وفاداری ریاست سے ہوتی ہے' حکومت سے نہیں ہوتی۔ حکومت تو ریاست کے تین بنیادی اعضاء (organs) میں سے ایک ہے۔ یعنی مقنّنہ (Legislature)' عدلیہ (Judiciary) اور انتظامیہ (executive) میں سے حکومت کے پاس صرف ایگزیکٹو کا کردار ہے' یعنی یہ صرف تنفیذی اور انتظامی قوت ہے' جبکہ قانون سازی کا ادارہ اور ہے' عدلیہ کا ادارہ اور ہے۔ مزید یہ کہ ہر شہری کا یہ حق تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ حکومت کی تشکیل میں رائے دے اور ناپسندیدہ حکومت کو بدل دے۔ جماعت سازی بھی اس کا حق مانا گیا ہے' اس لئے کہ اگر وہ جماعت نہیں بنائے گا تو قوت کیسے وجود میں آئے گی؟ اور اجتماعی قوت کے بغیر وہ حکومت کو کیسے بدلے گا اور وسائل و ذرائع کو کیسے مجتمع کرے گا کہ اپنے فکر کو لوگوں کے سامنے لا سکے؟ حکومت کی تبدیلی کا ایک جمہوری طریق کار ہے اور ایک انقلابی طریق کار۔ لیکن جماعت سازی اور اظہارِ رائے بہرحال شہری کے وہ حقوق ہیں جن پر کوئی قدغن نہیں لگائی جا سکتی۔ یہ جو ادارے (institutions) وجود میں آئے ہیں انہوں نے ان راستوں کو اَب کھول دیا اور آسان کر دیا ہے۔ گویا تمدنی ارتقاء نے ایک دروازہ بند کیا ہے تو دوسرا دروازہ کھول دیا ہے۔ آدمی کو اگر اِن چیزوں کا شعور نہ ہو تو بھی وہ شش و پنج میں مبتلا ہو کر رہ جاتا ہے کہ مسلمانوں کے معاشرے میں کیا کرے اور کیسے کرے؟ تو ان تمام چیزوں کو سامنے رکھنا ہوگا۔ درحقیقت اس سیاق و سباق میں نہی عن المنکر کی جو اہمیت قرآن و حدیث سے ہمارے سامنے آتی ہے اس کو سمجھنے کے لئے منتخب نصاب نمبر ۲ میں اس درس کو شامل کیا گیا ہے۔

اس درس میں سورۂ آل عمران کی تین آیات (۱۰۲۔۱۰۴) شامل کی گئی ہیں' جن میں

سے اس درس کی ترکیب کے اعتبار سے صرف آخری اور مختصر آیت (۱۰۴) متعلق ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾

اسی طرح سورۃ التوبۃ کی دو آیات میں سے آیت ۱۱۲ اس موضوع سے متعلق ہے۔ اس میں اہل ایمان کے نو اوصاف بیان ہوئے ہیں' جن میں سے آخری تین اوصاف کا تعلق اصل میں اس موضوع سے ہے: ﴿الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ۭ﴾ اس سے ماقبل آیت ۱۱۱ کا مطالعہ ہم گزشتہ درس میں کر چکے ہیں کہ اس آیت سے درحقیقت بیع اور پھر بیع سے بیعت کا تصور اجاگر ہوا ہے۔ ان دونوں آیتوں کا باہمی ربط یہ ہے کہ آیت ۱۱۲ میں اہل ایمان کے جو اوصاف بیان کئے جا رہے ہیں ان میں سے یہ جو آخری تین اوصاف ہیں ان کے لئے قوت درکار ہے۔ اور اس قوت کے لئے وہ لوگ درکار ہیں جو اللہ سے وہ بیع وشراء کر چکے ہوں جو آیت ماقبل میں مذکور ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰي مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۭ﴾ "یقیناً اللہ تعالیٰ نے مؤمنین سے خرید لی ہیں ان کی جانیں اور مال جنت کے عوض"۔ اس لئے یہاں پر اس آیت کو بھی شامل کیا گیا۔

اُمّتِ مسلمہ کے لئے سہ نکاتی لائحہ عمل

جہاں تک سورۂ آل عمران کی تین آیات (۱۰۲ تا ۱۰۴) کا تعلق ہے یہ نوٹ کر لیجئے کہ یہ مقام بھی قرآن مجید کے جامع ترین مقامات میں سے ہے اور ان میں اُمت مسلمہ کے لئے تین نکات پر مشتمل ایک مکمل لائحہ عمل دے دیا گیا ہے۔ یہ درس اصلاً تو ہمارے منتخب نصاب کے حصہ اوّل (جامع اسباق) میں شامل ہونا چاہئے اور سورۃ العصر' آیۃ البر' سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع' سورۂ حم السجدۃ کی آیات ۳۰ تا ۳۶ کے ساتھ آنا چاہئے کہ یہ بالکل اسی معیار اور اسی سطح کا اور اتنی ہی جامعیت کا حامل مقام ہے۔ اس کی پہلی آیت ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ میں جو چیز ایک فرد سے مطلوب ہے اس کو انتہائی جامعیت'

انتہائی اختصار اور انتہائی تاکید سے بیان کر دیا گیا ہے اس آیت میں۔ ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ سے خطاب ہے۔ تو گویا سورۃ العصر کا ''اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' خود بخود اس میں آ گیا۔ اور ''وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' کے لئے اس آیت میں جامع ترین' مؤکد ترین' خوبصورت ترین اور مختصر ترین تعبیر ہے کہ ''اللہ کا تقویٰ اختیار کرو' جتنا کہ اس کا حق ہے''۔ میرے نزدیک یہ آخری تاکیدی اسلوب ہو سکتا ہے اور یہ ناممکن الحصول ہے۔ اس مقام تک کوئی انسان نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن اصول بہرحال یہی ہے۔ یعنی آئیڈیل اونچا ہونا چاہئے' نگاہ بلند ہونی چاہئے۔ اب جہاں تک کوئی رسائی حاصل کر سکے یہ اس کی ہمت ہے' البتہ اصول واضح رہنا چاہئے۔ یہ حکم سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گھبرا گئے تھے کہ حضور (ﷺ)! کس کے لئے ممکن ہے اللہ کا حق تقویٰ ادا کرنا! پھر جب سورۃ التغابن کی یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ ''اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا تم استطاعت رکھتے ہو''۔ تو اُن کی جان میں جان آئی۔ حالانکہ سورۃ البقرۃ کے اندر بھی یہ مضمون موجود ہے: ﴿لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ لیکن اس کو مزید واضح کرنا اطمینان کے لئے ضروری تھا۔

اس آیت میں دوسرا حکم ہے: ﴿وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝﴾ ''اور (دیکھو اہل ایمان!) ہرگز مت مرنا' مگر حالت اسلام میں''۔ بدقسمتی یہ ہے کہ اس میں اسلام کے جب اصطلاحی معنی مراد لے لئے جاتے ہیں تو اس آیت کی ساری جان نکل جاتی ہے۔ جان لیجئے یہاں اصطلاحی اور فقہی معانی مراد نہیں ہیں۔ یہاں ''مسلم'' کے اصل لغوی معنی مراد ہیں کہ ''تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر حالت فرماں برداری میں''۔ ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ کے انتہائی گاڑھے حکم کے ساتھ یہاں پر ''اسلام'' کا فقہی مفہوم ہرگز مراد نہیں ہو سکتا۔ یہ اس حکم سے قطعاً مناسبت نہیں رکھتا۔ جن لوگوں کے ذہنوں میں توازن نہیں ہوتا وہ اس طرح بھٹکتے ہیں۔

اب اس بحث کو چھوڑ دیجئے کہ گناہِ کبیرہ سے بھی کوئی شخص کافر ہوتا ہے یا نہیں ہوتا۔ یہ قانونی بحث ہے۔ اس دنیا میں آپ کسی کے اوپر کوئی فتویٰ نہیں لگا سکتے۔ یہاں

وہ حدیث نبویؐ ذہن میں رکھئے :((لَا یَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ ' وَلَا یَسْرِقُ السَّارِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ ' وَلَا یَشْرَبُ الْخَمْرَ حِیْنَ یَشْرَبُھَا وَھُوَ مُؤْمِنٌ)) (متفق علیہ) ''کوئی زانی حالت ایمان میں زنا نہیں کرتا' اور کوئی چور حالتِ ایمان میں چوری نہیں کرتا اور کوئی شراب پینے والا حالتِ ایمان میں شراب نہیں پیتا''۔ حقیقت کے اعتبار سے یہاں یہی مفہوم مراد ہے کہ ''ہرگز مت مرنا مگر حالت فرماں برداری میں''۔ جب آدمی گناہ کر رہا ہے تو اُس وقت وہ فرماں بردار کہاں ہے! وہ تو فرمان کو توڑ رہا ہے۔ اس حالت میں موت بڑی عبرت ناک اور حسرت ناک موت ہے۔ بالفرض ایک شخص کی عین عمل زنا کے دوران جان سلب کر لی جائے تو تصور کیجئے یہ کتنی عبرت ناک موت ہوگی! لیکن اب یہ بھی جان لیجئے کہ یہ عملِ زنا تو ہمیں طبعاً بہت ہی بُرا لگتا ہے' اس لئے کہ اسے برا سمجھنا ہماری روایت کا ایک جزو بن گیا ہے' یہ ہمارے اجتماعی شعور (collective consciousness) کا ایک جزوِ لاینفک ہو گیا ہے' جبکہ اس سے سوگنا برا عمل سود ہے۔ اب سود کھاتے ہوئے مرنا' اس تصور پر ہمیں جھرجھری نہیں آتی اور ناگواری محسوس نہیں ہوتی' حالانکہ یہ زنا سے سوگنا زیادہ برا عمل ہے' بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ۔ ایک حدیث نبویؐ کے الفاظ ہیں :((اَلرِّبَا سَبْعُوْنَ حُوْبًا' اَیْسَرُھَا اَنْ یَنْکِحَ الرَّجُلُ اُمَّہٗ)) ''سود کے ستر حصے ہیں' ان میں سے سب سے ہلکا یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے نکاح کرے''۔ اس حدیث کی روشنی میں عمل زنا اور عمل سود میں کیا نسبت قائم ہو سکتی ہے! ہزار گنا بھی کہا جائے تو کم ہے۔ اب یہاں جو لفظ آیا ہے :''وَلَا تَمُوْتُنَّ ''''دیکھنا تمہیں موت نہ آئے''۔ اس کا کیا مطلب ہوا؟ یہ حکم گویا اس حکم کے ہم پلہ ہو گیا ہے کہ: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ﴾۔ اب ایک ایک لمحہ جاگ کر اور چوکس اور چوکنے رہ کر بسر کرنا ہے کہ کہیں کوئی لمحہ حالت معصیت میں نہ گزرے۔ کیا کوئی ضمانت ہے کسی کے پاس کہ اسی لمحے اس کی موت نہیں آ سکتی؟

اب اس سے آگے آیئے! افراد کو جمع کر کے ان کی شیرازہ بندی سے ایک قوت

وجود میں آتی ہے۔ دیکھئے مسلمانوں کی یہ شیرازہ بندی کس بنیاد پر ہے؟ ان کو جوڑنے والی شے کون سی ہے؟ یہ چیز ''حبل اللہ'' ہے یعنی قرآن مجید۔ فرمایا: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا﴾ ''سب مل کر اللہ کی رسی کو تھام لو''۔ سورۃ الحج میں الفاظ آئے ہیں: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ﴾ ''اللہ کے ساتھ چمٹ جاؤ''۔ بڑا خوبصورت ربط ہے ان دونوں کے مابین۔ عَصَمَ یَعْصِمُ کے معنی ہیں ''کسی کو بچانا''۔ جیسے حضور ﷺ سے فرمایا گیا: ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ ''(اے نبی!) اللہ آپ کو بچائے گا (آپ کی حفاظت فرمائے گا) لوگوں سے''۔ بابِ اِفتعال سے مصدر بنتا ہے اِعتصام۔ اس کا مطلب ہے ''خود بچنا' اپنا تحفظ حاصل کرنا''۔ اس کے ساتھ حرف ''ب'' کا صلہ لگنے سے یہ متعدی ہو جاتا ہے کہ اس بچاؤ کا ذریعہ کیا چیز بنے گی؟ فرمایا: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ﴾ ''چمٹ جاؤ اللہ سے'' یعنی اللہ کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ! اب ان الفاظ میں جو ایک اجمال ہے اس کی وضاحت ہے بایں الفاظ: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ﴾ کہ اپنے تحفظ کے لئے اللہ کی رسی کے ساتھ چمٹ جاؤ!

اس حوالے سے مَیں بے شمار مقامات پر تفصیلی بحث کر چکا ہوں کہ حبل اللہ (اللہ کی رسی) سے کیا مراد ہے! الفاظ عام ہیں۔ ان سے توحید' دین' شریعت' کلمۂ شہادت وغیرہ سبھی چیزیں مراد لی جا سکتی ہیں۔ لیکن جب ہمارے پاس مرفوع تفسیر موجود ہو تو کسی اور طرف جانا درست نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے حبل اللہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ قرآن ہے۔ ((هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ)) ''یہی (قرآن مجید) اللہ کی مضبوط رسی ہے''۔ نیز فرمایا: ((اَلْقُرْآنُ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَمْدُوْدُ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ)) ''قرآن ہی اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہے''۔ تو اب یہ قرآن ہی اصل شے ہے۔ اب چمٹو قرآن کے ساتھ! اعتصام بالقرآن ہونا چاہئے۔ اعتصام بالقرآن کے دونوں پہلو اس میں موجود ہیں جو تفصیل سے بیان ہو چکے ہیں۔ یعنی تزکیہ بھی ہو گا تو اسی قرآن سے' دعوت بھی دی جائے گی تو اسی قرآن سے۔ جیسے فرمایا گیا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (یونس: ۵۷) ''اے لوگو! تمہارے پاس آ چکی ہے نصیحت تمہارے ربّ کی طرف سے اور یہ شفاء ہے دل کی بیماریوں کی اور اہل ایمان کے لئے راہنمائی اور رحمت ہے''۔ اس سے بڑا معجزہ کوئی نہیں ہے۔ انسان کے نفس کے اندر جو روگ ہوتے ہیں' جیسے حبّ جاہ' حبّ دنیا' حبّ مال' ان کے ازالے اور ان کے معالجے کے لئے اس سے بڑی دوا کوئی نہیں۔ پھر یہ کہ دعوت اور تذکیر کا ذریعہ بھی یہ قرآن ہے۔ فرمایا: ﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴾ (ق: ۴۵) ''(اے نبی!) اس قرآن کے ذریعے یاددہانی کرائیے اس کو جو میری تنبیہ سے ڈرتا ہو''۔ یعنی انذار بھی اسی قرآن کے ذریعے اور تبشیر بھی اسی قرآن کے ذریعے۔ تو یہ اعتصام دونوں اعتبارات سے ہے۔

''جَمِيْعًا'' کے لفظ کے لئے یہاں دونوں امکانات موجود ہیں۔ ''جَمِيْعًا'' قرآن کا حال بھی ہوسکتا ہے اور مخاطبین کا بھی۔ یعنی یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ پورے قرآن کو تھامو! ایسا نہ ہو کہ ؎

اڑائے کچھ ورق لالے نے' کچھ نرگس نے' کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری!

بلکہ پورے کے پورے قرآن کو اختیار کرو۔ اہل کتاب کو اُن کی اسی روش پر سرزنش کی گئی ہے۔ فرمایا: ﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ﴾ (البقرۃ: ۸۵) ''کیا تم کتاب کے کچھ حصے کو مانتے ہو اور کچھ کا انکار کرتے ہو؟'' تو اے مسلمانو! تمہاری یہ روش نہیں ہونی چاہئے۔ ویسے عام طور پر ''جَمِيْعًا'' سے دوسرا مفہوم مراد لیا گیا ہے کہ ''سب مل جل کر اللہ کی مضبوط رسی کو تھام لو''۔ اس سے اب ایک جمعیت وجود میں آ گئی۔ یہ مقام مُحْتَمِل المَعنَیین ہے' یعنی اس میں دونوں معانی کا احتمال ہے' اور دونوں اپنی جگہ مقصود بھی ہیں اور مطلوب بھی۔ یہی ہے اعجازِ کلام اور یہی ہے فصاحت اور بلاغت کا نقطۂ عروج۔ تو اب ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا ﴾ میں دونوں باتیں آ گئیں' لیکن اس کے بعد والے الفاظ ﴿وَلَا تَفَرَّقُوْا ﴾ کے ساتھ یہ دوسرا

مفہوم زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ ''لَا تَفَرَّقُوْا'' باب تفعل سے جمع مخاطب کے لئے صیغہ نہی ہے اور اس میں عام طور پر ایک ''ت'' گر جاتی ہے۔ سورۃ الشوریٰ میں یہ لفظ آ چکا ہے: ﴿اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ﴾ ''کہ دین کو قائم کرو اور دین کے باب میں متفرق نہ ہو جانا''۔ تو یہاں بھی اصل میں لفظ وہی ہے' لیکن قواعدِ صرف کی رو سے باب تفعل میں کبھی ایک ''ت'' گرا دی جاتی ہے۔ ﴿وَلَا تَفَرَّقُوْا﴾ آپس میں متفرق مت ہونا' بٹ نہ جانا' ٹکڑوں میں تقسیم نہ ہو جانا۔

اب اس کے بعد ایک خالص تاریخی حقیقت کی طرف اشارہ ہے ان الفاظ میں:

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ﴾

''اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو جبکہ تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے' تو اس نے تمہارے دلوں کے مابین محبت ڈال دی تو تم اس کی اس نعمت کے سبب آپس میں بھائی بھائی ہو گئے''۔

یہاں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ تم ذرا اپنے ماضی کو یاد کرو کہ تم آپس میں کتنے بٹے ہوئے تھے' کتنے منقسم تھے! جان لیجئے پورے عرب میں کوئی نظام نہیں تھا۔ حالی نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے ؎

کہیں پانی پلانے پہ جھگڑا
کہیں گھوڑا آگے بڑھانے پہ جھگڑا!

چھوٹی چھوٹی باتوں پر لمبی لمبی جنگیں چلتی تھیں۔ خاص طور پر قبیلہ اَوس اور قبیلہ خزرج کے مابین کب سے جنگ چلی آ رہی تھی! جیسے ہمارے ہاں قتل اور خون ریزی کے قبائلی اور خاندانی واقعات نسل در نسل چلتے ہیں' تو وہاں بھی کشت و خون کا بازار گرم تھا۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا جا رہا ہے کہ تم تباہی کے آخری کنارے تک پہنچ چکے تھے۔ ﴿وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝﴾ ''اور (یاد کرو اللہ کی اس نعمت کو) جبکہ تم آگ کے

گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیات کو واضح فرماتا ہے تاکہ تم ہدایت حاصل کرو''۔ اب اس میں آپ تفصیل، تبیین، وعظ اور نصیحت کا جتنا چاہیں رنگ بھر لیں، لیکن اس وقت میں اشارات پر اکتفا کر رہا ہوں۔

نوٹ کیجئے کہ اب یہاں سے دوسرا مرحلہ شروع ہو رہا ہے۔ اس مرحلے میں میرے نزدیک اصل شے جمعیت ہے کہ سب مل جل کر اس رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔ اس میں تبعاً وہ مفہوم بھی شامل ہے کہ اصل میں دعوت اور تزکیہ کا ذریعہ حبل اللہ یعنی قرآن ہے۔ اقبال کی جو عزت میری نگاہ میں ہے اس کا ایک بہت اہم سبب یہ ہے کہ ان مفاہیم کو جس خوبصورتی سے اس نے ادا کیا اس کی کہیں مثال نہیں ملتی۔ قرآن کے بارے میں کہتے ہیں ؎

از یک آئینی مسلمان زندہ است
پیکر ملت ز قرآن زندہ است
ما ہمہ خاک و دلِ آگاہ اوست
اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست!

''وحدتِ آئین ہی مسلمان کی زندگی کا اصل راز ہے اور ملتِ اسلامی کے جسد ظاہری میں روحِ باطنی کی حیثیت صرف قرآن کو حاصل ہے۔ ہم تو سرتاپا خاک ہی خاک ہیں، اور ہمارا قلب زندہ اور ہماری روح تابندہ دراصل قرآن ہی ہے۔ لہٰذا اسے مضبوطی سے تھام لو کہ یہی اللہ کی رسی ہے!''

اب تیسری بات آ رہی ہے، جو ہمارے اس درس سے متعلق ہے۔ فرمایا: ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ﴾ ''تم میں سے ایک ''اُمت'' ہونی چاہئے''۔ یہاں ''اُمت'' کا لفظ قابلِ غور ہے۔ اَمَّ، یَـــؤُمُّ کے معنی ہیں قصد کرنا۔ جیسے سورۃ المائدۃ میں الفاظ آئے ہیں: ﴿اٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ﴾ ''وہ جو بیت حرام کا قصد کر کے چل رہے ہیں''۔ اسی طرح ''اُمت'' افراد کا وہ مجموعہ ہے جنہیں ایک مقصد باندھ لیتا ہے۔ اُمت کسی

نسل، زبان یا علاقے کی بنیاد پر نہیں بنتی۔ البتہ ''قوم'' کے لئے یہ چیزیں بنیاد بن سکتی ہیں۔ قرآن مجید میں ان کی نفی نہیں کی گئی ہے' لیکن ''قوم'' کا لفظ قرآن میں ''اُمت'' کے معنی میں نہیں آیا۔ ''قوم'' کا لفظ کسی قبیلے یا کسی علاقے کے رہنے والوں کے لئے مستعمل ہے۔ مولانا مودودی نے اس اعتبار سے صحیح کہا تھا کہ ''مسلمان قوم نہیں ہیں''۔ اصل میں دو باتیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ہندو کے مقابلے میں تو مسلمان ایک قوم ہیں۔ جب ایک مشترک وطنی قومیت کا تصور پیش کیا گیا تو اس کے جواب میں یہ کہنا کہ نہیں' ہندو اور مسلمان ایک قوم نہیں ہیں' دو الگ الگ قومیں ہیں' یہ بات درست تھی۔ اس لئے کہ بات کہنے کے مختلف درجے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ بات بلند تر ہے کہ ''مسلمان ایک قوم نہیں ہیں''۔ اس لئے کہ وہ تو ایک جماعت ہیں' ایک اُمت ہیں' حزبُ اللہ ہیں۔ البتہ ہمارے زوال اور اضمحلال کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہم جماعت' حزب اور اُمت نہیں رہے' بلکہ ایک قوم بن گئے۔ یہ ہے اصل میں اس پوری بحث کا لُبِّ لباب۔ چنانچہ مولانا مودودی کی بات صد فی صد صحیح تھی' اگرچہ defacto صورت میں اُس وقت جو خطرات تھے ان کے پیش نظر ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمانوں کے ایک قوم ہونے کا شعور دلانا بھی ضروری تھا۔ بہرحال مسلمانوں کی ہیئت اجتماعیہ کے لئے پورے قرآن میں کہیں لفظ ''قوم'' نہیں آیا۔ قرآن میں یہ لفظ سابقہ انبیاء و رُسل کی دعوت کے ضمن میں آیا ہے کہ: یَا قَوْمِ' یَا قَوْمِ۔ اس لئے کہ واقعہ یہی ہے کہ وہ اپنی قوموں ہی کی طرف مبعوث ہوئے تھے' اور وہ بین الاقوامیت اور آفاقیت حضور ﷺ سے پہلے کسی رسول کی دعوت میں نہیں تھی۔ طبعی طور پر (physically) ابھی یہ ممکن بھی نہیں تھا' کیونکہ ابھی وسائل و ذرائع اتنے نہیں تھے لہٰذا اُن کا دائرۂ دعوت اپنی اپنی قوم تک محدود تھا۔ جیسے فرمایا گیا: ﴿وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا﴾ اور ﴿وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحًا﴾ چنانچہ ان کی دعوت میں یَاقوم کا لفظ مستعمل ہے۔ جبکہ قرآن میں خطاب ''یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ'' اور ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' سے ہوتا ہے۔ لفظ ''اُمت'' کا مطلب' جیسا کہ میں نے عرض کیا' ہم مقصد' ہم ارادہ اور ہم سفر ساتھیوں کا ایک مجموعہ

ہے۔اس کے لئے قرآن کا دوسرا لفظ ''حزب'' ہے جو اِس منتخب نصاب نمبر۲ میں بیان ہو چکا ہے کہ ایک حزب الشیطان ہے اور دوسرا حزب اللہ۔

اب یہاں لفظ ''مِن'' پر غور کریں۔ ''مِن'' کے یہاں دو امکانات ہیں' ایک ''مِن بیانیہ'' اور دوسرا ''مِن تبعیضیہ''۔ یہاں اگر مِن تبعیضیہ مراد لیں گے تو ''بعض'' اور ''جزو'' کے معنی پیدا ہو جائیں گے اور عام طور پر زیادہ تر یہی مفہوم سمجھا گیا ہے۔لیکن مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک بڑی زوردار تحریر لکھی تھی کہ یہاں مِن تبعیضیہ نہیں ہے' بلکہ مِن بیانیہ ہے۔ دیکھئے تبعیضیہ ماننے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ سب کے کرنے کا کام لازمی نہیں رہتا' بلکہ یہ ایک فرضِ کفایہ بن جاتا ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ ہونے چاہئیں' کچھ لوگ رہنے چاہئیں جو یہ کام کریں۔اصل میں اس مفہوم کی نفی کے لئے انہوں نے اس کو مِن تبعیضیہ ماننے سے انکار کر دیا۔اس لئے کہ وہ مسلمانوں کو زوردار دعوت دینا چاہتے تھے کہ یہ ایمان کا عین تقاضا ہے' جبکہ مِن تبعیضیہ ماننے سے یہ مغالطہ ہو گیا ہے کہ یہ فرضِ کفایہ ہے کہ کچھ لوگ تم میں سے یہ کام کر دیں تو یہ فرض ادا ہو جائے گا۔لہٰذا انہوں نے اسے مِن بیانیہ کہا ہے اور ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ﴾ کا مفہوم یہ لیا ہے کہ ''تم سے ایک ایسی اُمت وجود میں آنی چاہئے''۔''تم میں سے'' نہیں ''تم سے''۔یہ مِن بیانیہ کا مفہوم ہے۔جیسے میں بیان کر چکا ہوں' سورۃ الفتح کی آخری آیت میں بھی یہ بحث موجود ہے۔فرمایا: ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۞﴾ ''اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے' مغفرت کا اور بہت بڑے اجر کا''۔ میں واضح کر چکا ہوں کہ اس آیت میں مِن تبعیضیہ نہیں' بیانیہ ہے۔صحابۂ کرام ؓ کی پوری جماعت سے اللہ کا یہ وعدہ ہے۔اگر تبعیضیہ مانیں گے تو مِنکُم سے تبعیض ہو جائے گی اور ذہن کو شیعیت کی طرف منتقل کرنے کے لئے ایک بہانہ بن جائے گا۔وہی معاملہ یہاں ہے' لیکن میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ اس امکان کو خارج نہیں کیا جا سکتا کہ یہ مِن تبعیضیہ ہو۔

اب اس کا حل کیا ہو گا؟ اس کا جواب اسی سورۂ مبارکہ کی آیت ۱۱۰ میں بایں

الفاظ آ گیا ہے: ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ ''تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہے''۔ اب اگر کوئی مغالطہ ہو سکتا تھا تو وہ نکل گیا۔ پوری اُمت سے کہا گیا ہے کہ ''تم وہ بہترین اُمت ہو جسے دنیا والوں کے لئے نکالا گیا ہے''۔ مزید فرمایا: ﴿تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ ''تم (لوگوں کو) نیکی کا حکم دیتے ہو اور منکر سے روکتے رہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو''۔ لہٰذا اگر یہاں (آیت ۱۰۴ میں) ''مِن تبعیضیہ'' مان کر کسی کمی کا پہلو آ جاتا ہے تو اس سے اس کی تلافی ہو گئی' اس تصور کا راستہ بند ہو گیا۔ اور اگر ''مِن بیانیہ'' ہو تو یہ دونوں آیتیں (آیت ۱۰۴ و ۱۱۰) بالکل ہم معنی ہو جائیں گی۔ جیسے کہا جاتا ہے: لِلْاَمِيْرِ مِنْ اَوْلَادِهٖ جُنْدٌ کہ امیر کی تو اولاد ہی سے ایک لشکر وجود میں آ گیا ہے' اسے کسی اور لشکر کی ضرورت ہی نہیں۔ اگر اللہ نے اسے سو بیٹے دے دیئے ہوں تو لشکر تو بن گیا۔ پچھلے زمانے میں تو ایک شخص کے سو بیٹے ہو سکتے تھے۔ تو یہاں پر ''مِن تبعیضیہ'' نہیں ہے' بلکہ ''مِن بیانیہ'' ہے۔ اسی کو مولانا ابوالکلام آزاد دلیل کے طور پر لائے ہیں کہ لِلْاَمِيْرِ مِنْ اَوْلَادِهٖ جُنْدٌ۔ درحقیقت پوری اُمت کے سامنے ایک مقصد اور ایک ہدف رکھا جا رہا ہے کہ تم سے اب ایک اُمت وجود میں آنی چاہیئے۔ تمہیں جو آپس میں اینٹوں کے مانند جوڑ کر ایک دیوار بنائی جا رہی ہے تو اسی مقصد کے لئے۔ پہلے ایک فرد کا معاملہ تھا۔ فرمایا گیا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ۞﴾ پھر ان افراد کی شیرازہ بندی کے لئے حبل اللہ دے دی گئی۔ اب شیرازہ بندی خود مطلوب و مقصود تو نہیں ہے' جماعت خود کوئی مطلوب و مقصود شے نہیں ہوا کرتی' جماعت تو کسی ہدف اور کسی مقصد کے لئے وجود میں آتی ہے۔ اب وہ مقصد کیا ہے؟ یہ مقصد ہے جو اس سلسلے کی تیسری آیت (آیت نمبر ۱۰۴) میں بیان ہوا ہے: ﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ .....﴾ ''تم سے ـــــ یا بالفاظ دیگر تم میں سے ـــــ وجود میں آنی چاہیئے ایک اُمت جو (لوگوں کو) بھلائی کی طرف بلائے.....!''

اس میں ایک تطبیق اور بھی ہے۔ ایک لحاظ سے تو اس پوری اُمت کو یہ کام کرنا

ہے۔ یہ تو ہمیں دورِ صحابہؓ میں نظر آتا ہے۔ لیکن اس دورِ زوال میں کیا ہوگا؟ اب پوری اُمت تو اس کام پر قائم نہیں۔ عملی طور پر بھی یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک دم پوری اُمت کو اس کام پر آمادہ کر دیا جائے' جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہیں۔ اس صورت حال میں ''مِنْکُمْ'' میں ''مِن تبعیضیہ'' نکھر کر سامنے آ رہا ہے کہ ''تم میں سے ایک گروہ تو ایسا ہونا ہی چاہئے''۔ اب یہ گروہ جاگے' منظم ہو' دوسروں کو جگائے۔ یہ پراسیس تو اسی طرح شروع ہوگا۔ یوں سمجھئے کہ پہلے وہ نیوکلیئس وجود میں آئے گا تو اس کے گرد مختلف الیکٹرانز آئیں گے اور وہ ایٹم بڑھتا چلا جائے گا۔ اگر نیوکلیئس ہی نہ ہو تو ایٹم کہاں سے وجود میں آئے گا؟ لہٰذا وہاں مِن تبعیضیہ کا ایک بہت خوبصورت مفہوم سامنے آتا ہے۔ یعنی ''تم میں سے ایک اُمت تو رہنی ہی چاہئے''۔ ایسا تو نہ ہو کہ اس کام کے لئے کوئی نہ رہے۔ اس کے ساتھ اس حدیث کو جوڑ لیجئے جس میں یہ خبر دی گئی ہے کہ: ((لَا تَزَالُ فِیْ اُمَّتِیْ طَائِفَةٌ قَائِمِیْنَ عَلَی الْحَقِّ)) ''میری اُمت میں ایک گروہ تو ہمیشہ رہے گا جو حق پر قائم ہوگا''۔ یوں کہنا چاہئے کہ یہ ایک طرح کی حضور ﷺ نے ضمانت دی ہے۔

اسلامی جماعت کے کرنے کا اصل کام

اب وہ گروہ کیا کام کرے! فرمایا: ﴿یَدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ﴾ ''وہ دعوت دیں خیر کی طرف''۔ یہ بہت جامع لفظ ہے۔ آگے فرمایا: ﴿وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ﴾ ''اور وہ معروف کا حکم دیں اور منکر سے روکیں''۔ ''دعوت الی الخیر'' اور ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' کی اصطلاحات کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو ایک وحدت ہے' یہ ایک باقاعدہ قرآنی اصطلاح ہے۔ قرآن مجید میں نو مقامات پر یہ بالکل اسی طرح جڑ کر آیا ہے۔ حضور ﷺ کے لئے سورۃ الاعراف میں فرمایا گیا: ﴿یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ﴾ ''وہ انہیں معروف کا حکم دیتا ہے اور منکر سے روکتا ہے''۔ اہل کتاب میں سے جو اچھے لوگ تھے ان کی مدح ہوئی ہے ان الفاظ میں: ﴿وَیَاْمُرُوْنَ

بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (آل عمران:۱۱۴) ''اور وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں''۔ اہل ایمان کے لئے سورۃ آل عمران میں دو مرتبہ یہ اسی طرح جڑ کر آ چکا ہے' ایک مرتبہ آیت ۱۰۴ میں' اور دوسری مرتبہ آیت ۱۱۰ میں بایں الفاظ: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ سورۃ التوبۃ کی آیت ۱۱۲ میں بھی یہ جڑ کر آیا ہے۔ فرمایا: ﴿اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ ''(وہ ہیں) نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے''۔ میں نے ایک مرتبہ ''نہی عن المنکر کی خصوصی اہمیت'' کے موضوع پر تقریر میں وہ نو مقامات گنوا دیئے تھے جہاں یہ ایک وحدت کی شکل میں بالکل جڑ کر آیا ہے۔ (یہ خطاب ہماری کتاب ''اُمت مسلمہ کے لئے سہ نکاتی لائحہ عمل'' میں شامل ہے!) جیسے گاڑی کے دو پہیے باہم ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں ویسے ہی یہ دو اجزائے لاینفک ہیں اور ایک ہی حقیقت کے اور ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں' ان کو جدا کر دینا قرآن پر اور اسلام پر بہت بڑا ظلم ہے اور دین کے بنیادی تصورات کی گویا شکست وریخت ہے۔ البتہ ان دونوں (امر بالمعروف ونہی عن المنکر) کو بریکٹ کر کے ''دعوت الی الخیر'' کے ساتھ جمع کیجئے۔ اب یہاں حرفِ عطف ''و'' ''دعوت الی الخیر'' اور ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' کے درمیان مغائرت کرے گا۔ اب یہ سمجھ لیجئے کہ یہ مغائرت کیا ہے! دیکھئے دعوت کی اصل روح سوز' ہمدردی' نصح وخیر خواہی اور اپیل کا انداز ہے۔ اس میں خوشامد ہے' جبکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں قوت کا اظہار ہے' اختیار ہے اور وعظ ونصیحت کا نہیں بلکہ تنفیذ کا انداز ہے۔ یہ چیزیں الفاظ سے ہی ظاہر ہو رہی ہیں۔ ایک تو اس کی روح کے اعتبار سے یہ دو چیزیں ایک دوسرے کی غیر بن گئیں۔

دوسرے یہ کہ 'خیر' کو معین کیجئے! اب یہاں بھی لفظ عام ہے۔ چنانچہ اس کا اطلاق مختلف چیزوں پر ہو سکتا ہے۔ ایمان سب سے بڑا خیر ہے' شریعت کل کی کل خیر ہے۔ اس بارے میں جو رائیں بھی ہیں مَیں انہیں غلط نہیں کہتا۔ کسی نے اسلام کو خیر کہا' کسی

نے توحید کو خیر کہا' کسی نے شریعت کو خیر کہا' کسی نے کلمۂ شہادت کو خیر کہا۔ تو یہ سب چیزیں اپنی جگہ پر صحیح ہیں' لیکن ہمیں حدیث نبویؐ سے معین کرنا ہوگا کہ خیر کا مصداقِ اوّل کیا ہے' جیسے حدیث نبویؐ سے حبل اللہ کا مصداقِ اوّل قرآن معین ہوا۔ خیر کا لفظ قرآن مجید میں اکثر و بیشتر دو معنی میں آتا ہے۔ خیر دُنیوی مال و اسباب کے لئے بھی آتا ہے۔ جیسے فرمایا گیا ہے: ﴿وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝﴾ ''اور یقیناً وہ (انسان) دُنیوی مال و اسباب کی محبت میں شدید ہے''۔ سورۃ الاحزاب کی آیت ۱۹ میں بھی منافقین کے بارے میں آیا ہے: ﴿اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۭ﴾ اس کا ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے یوں کیا ہے: ''وہ ڈھکے پڑتے ہیں مال پر''۔ یعنی جب لڑنے کا وقت ہوتا ہے تو وہ کہیں چھپ جاتے ہیں اور جب مالِ غنیمت کی تقسیم کا وقت آتا ہے تو سب سے آگے وہی ہوتے ہیں' سایہ کئے ہوئے ہوتے ہیں مال غنیمت پر سب سے آگے کہ انہیں Lion's share مل جائے۔ تو خیر کا ایک مفہوم تو یہ ہے۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ یہاں سیاق و سباق کے اندر اس کے فٹ بیٹھنے کا سرے سے امکان نہیں ہے کہ مال و دولت دُنیوی کی طرف دعوت دو۔ اب دوسرا خیر کیا ہے؟ وہ خیر ''ہدایت'' ہے۔ یہ بھی جان لیجئے کہ میں نے ہمیشہ یہ کہا ہے کہ دنیا میں نعمت صرف ایک ہی ہے اور وہ نعمتِ ہدایت ہے' کوئی اور شے نعمت نہیں ہے۔ جنہیں ہم عام طور پر نعمتیں کہتے ہیں وہ اگر نعمت ہدایت کے ساتھ ہوں تو نعمت ہیں' اس کے بغیر ہوں تو زحمت ہیں۔ اسی لئے قرآن مجید میں اسی نعمت ہدایت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ﴾ ''آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا''۔ یعنی نعمت ہدایت کا۔ اور ہدایت کیا ہے؟ الہدیٰ یہ قرآن ہے! آپ سوچیں گے کہ یہ تو ذرا لمبا اور ایچ پیچ استدلال ہے۔ اس کے لئے اب قرآن سے براہ راست دلیل پیش کرتا ہوں۔ سورۂ یونس کی آیات ۵۷'۵۸ عظمت قرآن کے بیان میں بہت اہم ہیں۔ ان کے آخر میں فرمایا: ﴿هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝﴾ ''وہ جو کچھ جمع کر رہے ہیں اُس سب سے بڑھ کر خیر یہی (قرآن)

ہے''۔یعنی یہ خیر مطلق ہے' تمام چیزوں سے بڑھ کر خیر ہے' رحمت خداوندی کا سب سے بڑا مظہر ہے۔سورۃ الرحمٰن کے آغاز میں فرمایا: ﴿اَلرَّحْمٰنُ ۞ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۞﴾ یعنی رحمٰن کی رحمانیت کا مظہر اتم اور مظہر کامل یہی قرآن ہے۔تو دعوت الی الخیر کا ہدف اوّلین دعوت اِلی القرآن ہے۔ظاہر بات ہے خیر کا اس سے بڑا منبع' سرچشمہ اور خزانہ کوئی متصور نہیں ہوسکتا۔

تو یہ دونوں پہلو آپ کے سامنے آ گئے۔ایک یہ کہ دعوت الی الخیر' اور اس میں بھی سوز' نصح و خیر خواہی کا جذبہ اور یہاں تک کہ خوشامد۔لوگوں کے سامنے گڑگڑائیے کہ خدا کے لئے قرآن کی طرف لوٹ آؤ' اپنی غلط روش سے باز آ جاؤ۔لیکن دوسرے پہلو (امر بالمعروف ونہی عن المنکر) میں تحکم بھی ہے اور قوت کا استعمال بھی ہے۔یہ اس کی مزاجی نوعیت کا فرق ہے۔اس سے بعض لوگوں نے ایک بہت بڑا دھوکہ کھایا ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر صرف حکومت کے کرنے کا کام ہے۔ان کے دھوکہ کھانے کا اصل سبب اس کے مزاج میں موجود یہی تحکم ہے' اگرچہ ''امر'' کا لفظ عربی زبان میں عام ہے اور یہ صرف حکم کے لئے ہی نہیں بلکہ مشورے کے لئے بھی آتا ہے۔ایک مصرع ملاحظہ کیجئے ع

اَطَعْتِ لِاَمِرِیْکِ بِصَرْمِ حَبْلِیْ

شاعر اپنی محبوبہ سے کہہ رہا ہے کہ ''بالآخر تم نے ان ہی لوگوں کا کہنا مان لیا نا جو تمہیں مجھ سے ترکِ تعلق کا مشورہ دے رہے تھے''۔تو یہاں ''امر'' حکم کے معنی میں نہیں' بلکہ مشورے کے معنی میں ہے۔چنانچہ امر کے درجے میں یہ ساری چیزیں آ جائیں گی' لیکن غالب استعمال کے اعتبار سے لفظ ''امر'' میں زیادہ رجحان حکم کا ہے۔لہٰذا اس میں ایک طرح کا تحکم بھی ہے' یعنی اس میں تنفیذ ہے' طاقت کا استعمال ہے۔اور نہی عن المنکر کے ضمن میں تو حدیث نبویؐ نے بالکل ہی واضح کر دیا کہ ایک نہی عن المنکر بالقلب ہے' ایک نہی عن المنکر باللسان ہے اور ایک نہی عن المنکر بالید ہے۔اس وجہ سے کچھ لوگوں کا خیال ہو گیا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو صرف حکومت کے

کرنے کا کام ہے۔

اس میں واقعتاً کوئی شک نہیں کہ جب اسلامی ریاست قائم ہو جائے تو اصلاً یہ اس کا ہی منصب اور اسی کا فرض ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ از روئے الفاظ قرآنی: ﴿اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ؕ﴾ (الحج:۴۱) ''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے' زکوٰۃ دیں گے' نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے''۔ ویسے تو درحقیقت حکومت کی پوری پالیسی میں یہ چیز شامل ہونی چاہئے' لیکن سعودی عرب میں الگ سے ''ھیئۃ الامر بالمعروف والنھی عن المنکر'' کے نام سے ایک محکمہ بنایا گیا تھا۔ میں اس کا چشم دید گواہ ہوں۔ سن ۱۹۶۲ء میں مَیں نے جدہ میں یہ نقشہ دیکھا تھا کہ نماز کا وقت آیا اور اس ہیئت امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کوئی شخص محض لاٹھی بجاتا ہوا آیا' اسے کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی' بلکہ صرف لاٹھی کی کھٹ کھٹ کی آواز پر لوگ دکانیں بند کر کے بھاگنے لگے۔ اگرچہ کچھ لوگ دکان کا شٹر نیچے گرا کر اندر گھس گئے اور انہوں نے نماز نہیں پڑھی لیکن دکانیں بہرحال بند ہو گئیں۔ اور اب یہ حال ہے کہ اُس ہیئت کے ملازم بے چارے آتے ہیں اور زور زور سے الصلوٰۃ' الصلوٰۃ پکارتے ہیں' لوگ سنتے رہتے ہیں اور مسکراتے رہتے ہیں اور دکانوں کے شٹر نیچے نہیں گرتے۔ تو اس ہیئت کی مٹی اب پلید ہو چکی ہے۔ اس لئے کہ اوپر مزاج بدل چکا ہے۔ اب تو وہ اپنی تنخواہ لے رہے ہیں اور اپنا کام کر رہے ہیں۔ اللہ اللہ خیر صلا۔ ان کی ڈیوٹی پوری ہو گئی۔ بہرحال میں عرض کروں گا کہ محض ایک محکمہ بنا لینے سے تو یہ کام ہوتا بھی نہیں۔ اس لئے کہ جب تک یہ چیز پوری حکومت کی مکمل پالیسی کا جزو نہ بنے محض محکمہ بنانے سے یہ تقاضا پورا نہیں ہوتا۔ چلئے محکمہ بھی بنایا ہو تو لوگوں کو معلوم ہو کہ اُن کے پاس کچھ اختیارات بھی ہیں۔ چوک میں کھڑے سپاہی سے' جو ٹریفک کنٹرول کر رہا ہوتا ہے' وہ لوگ لرزتے ہیں۔ اس شرطے (سپاہی) کا خوف اور رعب ہے ان کے دلوں میں' اس

لئے کہ اس کے پاس اختیار ہے' لیکن ان بے چاروں کے پاس کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ ان کے لئے تو اب ''مُطوع'' کا لفظ عام ہو چکا ہے کہ یہ مُلا ٹے کہاں سے آ گئے ہیں! بہر حال یہ تو محض سمجھانے کے لئے ایک ضمنی سی بات تھی۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ صحیح ہے کہ یہ کام اصلاً ہو جاتا ہے حکومت کا جبکہ اسلامی حکومت قائم ہو۔ یہ ایک اسلامی حکومت کا فرض ہے' بلکہ یہ اس کے اوّلین فرائض میں داخل ہے۔ لیکن اگر اسلامی حکومت قائم نہیں ہے تو اس دلیل سے اپنے آپ کو بچا لینا ایک طرح کی فراریت ہے۔ یہ دین سے غداری ہے کہ اس وقت بھی آدمی یہ کہہ کر نکل جائے کہ یہ تو حکومت کے کرنے کا کام ہے۔ ایک شے ایک خاص محل میں صحیح ہوتی ہے۔ ظلم یہی تو ہے کہ وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَحَلِّہٖ کہ کسی چیز کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا کر کہیں اور لے جانا۔ لہٰذا یہ اسلام کے ساتھ بدترین ظلم شمار ہو گا۔ اس کی مثال میں دیا کرتا ہوں کہ اگر حکومت قائم ہے' نظم ٹھیک ہے تو جان و مال کی حفاظت حکومت کی ذمہ داری ہے! فرض کیجئے کہ ملک میں انارکی ہو جائے' نظام درہم برہم ہو جائے' یا پولیس انتہائی کرپٹ ہو چکی ہو اور آپ کو پتہ ہو کہ یہ پہرے دار تو خود ڈاکو بنے ہوئے ہیں' تو ان حالات میں آپ کیا کریں گے؟ پاؤں پھیلا کر اطمینان سے سو جائیں گے یا اپنے پہرے کا انتظام کریں گے؟ بالکل وہی معاملہ یہاں ہے کہ اگر اسلامی حکومت قائم ہے تو امر بالمعروف و نہی عن المنکر اس کی ذمہ داری ہے' لیکن اگر اسلامی حکومت قائم نہیں ہے تو اب یہ ذمہ داری ایک ایک فرد پر منتقل ہو جاتی ہے اور یہ ہر فرد کے ایمان کا عین تقاضا ہے۔ لہٰذا مراتبِ ایمانی کے ساتھ علی الترتیب تین مراتب ہو جائیں گے: ایک نہی عن المنکر بالقلب۔ حدیث نبویؐ کی رو سے یہ اضعف الایمان ہے۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ: ''اس کے بعد تو ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں ہے''۔ دوسرا نہی عن المنکر باللسان۔ یہ اس سے ذرا اوپر کا معاملہ ہے اور یوں سمجھئے کہ یہ دعوت کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اور تیسرا مرتبہ جو مطلوب ہے' وہ ہے نہی عن المنکر بالید۔ تو ان تین الفاظ کو اس طریقے سے علیحدہ علیحدہ سمجھنا ضروری ہے کہ جو بھی اجتماعیت مطلوب

ہے اور جس اُمت کی تشکیل کی طرف یہ آیۂ مبارکہ راہنمائی کر رہی ہے اس کے کرنے کا کام کیا ہے؟ فرمایا: ﴿یَدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ﴾ ''خیر کی طرف بلائیں''۔ (میری ابتدائی تحریروں میں سے ایک مضمون ''دعوت الی اللہ'' ہے۔ اگر آپ نے اس کا مطالعہ کیا ہے تو یہاں اُس پورے کا خلاصہ اپنے ذہن میں رکھئے۔)

نہی عن المنکر کی خصوصی اہمیت

آگے فرمایا: ﴿وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ﴾ ''اور نیکی کا حکم دیں اور بدی سے روکیں''۔ یہاں آپ وہ احادیث پڑھ لیجئے اور انہیں یاد کرنے کی کوشش کیجئے۔ ان کے بارے میں پہلی اہم بات یہ ہے کہ دونوں مسلم شریف کی روایات ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' وہ تو پھر بھی مشہور ہے اور اس کو تقریر و تحریر میں بیان بھی کیا جاتا ہے' لیکن دوسری حدیث جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ عام طور پر لوگوں کے ذہنوں سے بالکل خارج ہو چکی ہے' حالانکہ مسلمان معاشرے پر اطلاق کے اعتبار سے یہ حدیث بہت اہم ہے۔ پہلے ہم اسی حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں جو زیادہ عام ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : ((مَنْ رَّاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ)) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو کوئی بھی تم میں سے دیکھے کسی منکر کو (کسی بدی کو) اس کا فرض ہے کہ اس کو بدلے اپنے ہاتھ سے''۔ عام طور پر اس کا ترجمہ ''اسے چاہئے'' سے کیا جاتا ہے' لیکن اس سے بڑا مغالطہ ہو جاتا ہے۔ یہ اخلاقی تعلیم نہیں ہے' یہ ''فعل امر'' ہے۔ اور اَلْاَمْرُ لِلْوُجُوْبِ (امر وجوب کے لئے ہوتا ہے) اِلّا یہ کہ کوئی اور قرینہ ہو۔ لہٰذا ترجمہ ہوگا: اس پر واجب ہے' لازم ہے' فرض ہے۔ یہ نزولی ترتیب ہے۔ یعنی اصلاً تو مطلوب یہ ہے' البتہ اگر کوئی مانع ہے تو اس کا دوسرا درجہ یہ ہے: ((فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ)) ''پھر اگر استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان کے ساتھ اس سے روکے''۔ استطاعت کا نہ ہونا دونوں اعتبارات سے ہو سکتا ہے۔

ایک تو یہ کہ آدمی بودا ہے' کمزور ہے' بزدل ہے' دوسرے یہ کہ حالات واقعی انتہائی خوفناک اور خطرناک ہو گئے ہیں۔ ان دونوں چیزوں سے نتیجہ ایک ہی نکلے گا کہ استطاعت نہیں ہے' داخلی یا خارجی۔ پس اگر بیچ میں یہ عارض موجود ہو' یعنی کوئی چیز رکاوٹ ہو تو پھر یہ دوسرا درجہ آئے گا کہ زبان سے اس برائی سے روکا جائے۔ بدقسمتی سے اس وقت یہ تصور عام کر دیا گیا ہے کہ یہ بس زبان سے ہی کرنے کا کام ہے' طاقت سے کرنے کا کام تو حکومت کا ہے۔ لہٰذا اس غلط فہمی کی اصلاح مطلوب ہے۔ آگے فرمایا: ((فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ)) ''اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے (برا جانے اور اسے بالید روکنے کے لئے قوت فراہم کرے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے''۔ اس میں بھی استطاعت کا نہ ہونا خارجی اور داخلی دونوں اعتبارات سے ہو سکتا ہے۔ تو اس برائی کے خلاف دل میں نفرت ہو' طبیعت کے اندر اباء ہو' revolt ہو' بلکہ خون جوش میں آ رہا ہو۔ ایک معاملہ تو قہر درویش بر جانِ درویش والا بھی ہوتا ہے۔ اگر اس برائی کو ہاتھ سے روک دینے کی ہمت یا استطاعت نہیں ہے تو کم سے کم خون تو کھولے۔ اگر خون بھی نہیں کھول رہا تو گویا ایمان کی رمق بھی دل میں موجود نہیں ہے۔

یہاں وہ حدیث مبارکہ پیش نظر رہنی چاہئے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا: ((اَوْحَی اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰی جِبْرَاءِیْلَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنِ اقْلِبْ مَدِیْنَةَ کَذَا وَکَذَا بِاَهْلِهَا)) قَالَ : ((فَقَالَ : یَارَبِّ اِنَّ فِیْهَا عَبْدَکَ فُلَانًا لَمْ یَعْصِکَ طَرْفَةَ عَیْنٍ)) قَالَ : ((فَقَالَ : اِقْلِبْهَا عَلَیْهِ وَعَلَیْهِمْ' فَاِنَّ وَجْهَهٗ لَمْ یَتَمَعَّرْ فِیَّ سَاعَةً قَطُّ)) ''اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی کیا کہ فلاں فلاں بستی کو الٹ دو ان کے رہنے والوں سمیت (اس لئے کہ وہ گنہگار ہیں)''۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''تو جبرئیل علیہ السلام نے آ کر عرض کیا: ''اے پروردگار! اس بستی میں تو تیرا ایک ایسا بندہ بھی ہے جس نے پلک جھپکنے جتنی دیر بھی تیری نافرمانی نہیں کی''۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس بستی کو پلٹو پہلے اس پر پھر دوسروں پر' اس لئے کہ میری

حمیت میں ایک لمحے کے لئے بھی اس کا چہرہ متغیر نہیں ہوا''۔(رواہ البیہقی)

ایسا شخص تو بے حمیت اور بے غیرت ہے کہ اِن حالات میں اس کے احساسات پر جوں تک نہیں رینگتی' اس کا خون نہیں کھولتا۔ کم از کم خون تو کھولے! اس کے بعد اگر حالات کے جبر کی کیفیت ہے' کوئی مجبوری ہے تو الگ بات ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ کمزور سے کمزور انسان کو بھی اگر ماں کی گالی دی جائے' اور چاہے وہ اپنی کمزوری کے سبب گالی دینے والے پر اپنا ہاتھ نہ اٹھا سکے' مگر وہ غصے سے کانپے گا تو سہی' اس کا خون تو کھولے گا' چاہے وہ لرز کر اور کانپ کر اپنی جگہ پر رہ جائے اور کچھ کر نہ سکے۔ لیکن اگر اس کا خون بھی نہیں کھولتا تو پھر تو وہ بے غیرت ہے۔ اور یہ ''بے غیرت'' پٹھانوں کے نزدیک سب سے بڑی گالی ہے' کوئی اور گالی اس کے ہم وزن نہیں ہے۔

اب ہم مسلم شریف کی دوسری حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں۔ یہ حدیث خاص طور پر کسی مسلمان اُمت کے ضمن میں اہم تر ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:((مَا مِنْ نَبِیٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ اُمَّةٍ قَبْلِیْ اِلَّا کَانَ لَهٗ مِنْ اُمَّتِهٖ حَوَارِیُّوْنَ وَاَصْحَابٌ)) ''کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جسے اللہ نے مجھ سے پہلے کسی اُمت میں مبعوث کیا ہو مگر یہ کہ اس کے لئے اس کی اُمت میں سے حواری اور اصحاب ہوتے تھے''۔ حواری کا لفظ قرآن مجید میں خاص طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کے لئے آیا ہے اور اصحاب کا لفظ تو ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھیوں کے لئے بھی بولتے ہیں۔ تو ان تمام کو شامل کر لیجئے! یعنی وہ لوگ جو اُن کے ساتھی' دست و باز و اور جان نثار بنتے تھے' ان کے مقصد کی تکمیل کے لئے تن من دھن لگانے کے لئے تیار رہتے تھے' جو انصار اللہ اور انصار الرسول بنتے تھے وہ سب حواری اور اصحاب ہیں۔ ان اصحاب کا طرزِ عمل کیا تھا! ((یَاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهٖ وَیَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِهٖ)) ''وہ اس کی سنت کو مضبوطی سے پکڑتے تھے اور اس کے حکم کا اقتداء کرتے تھے''۔ ((ثُمَّ اِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ

خُلُوْفٌ)) ''پھر اُن کے بعد ایسے ناخلف لوگ آ جاتے تھے''۔ اب یہ لوگ کون ہیں؟ ہیں تو اُمتی ہی' نام لیوا تو ہیں' اس نبی کو ماننے والے تو ہیں' لیکن وہ ناخلف لوگ کیا کرتے تھے؟ ((یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ)) ''کہتے وہ تھے جو کرتے نہیں تھے''۔ اسلام کی بات کہنی تو پڑتی ہے۔ مسلمان معاشرے میں اسلام کی بات زبان سے کہے بغیر تو چارۂ کار نہیں ہے۔ ((وَیَفْعَلُوْنَ مَا لَا یُؤْمَرُوْنَ)) ''اور کرتے وہ تھے جس کا انہیں حکم نہیں ہوا تھا''۔ اب اس میں قول و فعل کا تضاد' عمل میں فسق و فجور اور بدعات تینوں چیزیں آ گئیں۔ یہ ہے گویا وہ بگڑا ہوا مسلمان معاشرہ جو اِس درس کا عنوان ہے اور یہ اس کی بہترین تعبیر ہے۔ اس سے زیادہ جامع الفاظ ممکن نہیں۔ یہاں حضور ﷺ کا وہ دعویٰ ملاحظہ کیجئے کہ ((اُوْتِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ)) ''مجھے (اللہ کی طرف سے) انتہائی جامع کلمات عطا کئے گئے ہیں''۔ اور یہ کہ ((اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ)) ''میں عرب کا فصیح ترین انسان ہوں''۔

اب اس صورتِ حال میں کیا کرنا ہے؟ فرمایا: ((فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِیَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ)) ''تو جو ایسے لوگوں سے جہاد کرے گا اپنے ہاتھ سے تو وہ مؤمن ہے''۔ ((وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ)) ''اور جو اُن کے ساتھ جہاد کرے گا اپنی زبان سے وہ مؤمن ہے''۔ ((وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ)) ''اور جو اُن سے جہاد کرے گا اپنے قلب سے وہ مؤمن ہے''۔ ((وَلَیْسَ وَرَآءَ ذٰلِکَ مِنَ الْاِیْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ)) ''اور اس کے بعد تو ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں''۔

ان الفاظ میں پورا لائحہ عمل موجود ہے۔ اس سے عیاں ہے کہ طاقت نہیں ہے تو طاقت حاصل کرو۔ جیسے ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ﴾ ''اور ان کے مقابلے کے لئے اپنی امکانی حد تک تیاری کرو''۔ یہاں اگر طاقت حاصل کرنے کی امکانی جدوجہد تم کر لو اور طاقت ہاتھ میں نہ آئے تو تم معذور ہو گے۔ لیکن طاقت تم نے چھوڑ دی ہو فساق و فجار کے لئے اور خود قانع ہو گئے ہو اپنے کچھ مذہبی مناصب پر' میدان کھلا چھوڑ دیا ہو فاسقوں اور فاجروں کے لئے' خود اُن کا ضمیمہ بن جانا قبول کر لیا

ہو تو یہ ہرگز نہ قرآن کا تقاضا ہے' نہ ایمان کا تقاضا ہے اور نہ عقل کا تقاضا ہے۔ لہٰذا طاقت حاصل کرو' جدوجہد کرو' جمعیت فراہم کرو! آج کے دَور کی اصل طاقت جمعیت ہے۔ کتنے پیارے الفاظ ہیں سراج منیر کے کہ ''نتیجہ خیزی کا دارومدار تنظیم پر ہے''۔ یہ ہے اُمت ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ﴾ قوت تو اسی سے وجود میں آتی ہے۔ اور یہ کس طریقے سے وجود میں آتی ہے؟ یہ قوت ایک اکیلا دو گیارہ کے تناسب سے بڑھتی ہے' جسے آپ Geometric progression کہتے ہیں۔ لہٰذا طاقت حاصل کرو' جماعت بناؤ! جب ایک منظم جماعت (disciplined organization) وجود میں آ جائے تو پھر اپنی پسند اور ناپسند کا مظاہرہ (Demonstration of your will) کرو' یعنی یہ بتاؤ کہ یہ بات ہمیں پسند نہیں ہے۔ اور یہ بھی میرے نزدیک ابھی نہی عن المنکر باللسان کی ایک صورت ہے۔ باللسان کی ایک صورت وعظ و نصیحت ہے۔ ہر مسجد کا خطیب اور ہر خادمِ دین وعظ کر رہا ہے۔ وہ نہی عن المنکر باللسان میں شامل ہو گیا۔ لیکن اس کے بعد یہی بات جب آپ منظم اور پُرامن طریقے سے ایک اجتماعی مظاہرے کی شکل میں سامنے لائیں گے' تو یہ بھی باللسان ہی ہے' لیکن یہ اب گاڑھا ہو گیا ہے۔

موجودہ دَور میں 'جہاد بالید' کی عملی صورت

اب دیکھئے' نہی عن المنکر بالید کیا ہے؟ یہ کہ آپ گھیراؤ کریں کہ فلاں کام شریعت کے خلاف ہے' ہم جیتے جی نہیں ہونے دیں گے۔ اس کا نام گھیراؤ (picketing) ہے' کہ ہم ظالم کا ہاتھ پکڑ لیں گے' ظلم نہیں ہونے دیں گے۔ جو شے بھی دین کے خلاف ہے وہ ظلم ہے۔ یہ سب ظلم کے مظاہر ہیں۔ حق صرف یہ ہے کہ زمین اللہ کی ہے' اس پر قانون اللہ کا چلے گا۔ اس سے انحراف ہی تو ظلم ہے۔ یہی تو دراصل کفر اور شرک ہے۔ ازروئے الفاظِ قرآنی: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۞ .....فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۞ .....فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۞﴾ (المائدۃ: ۴۴ و ۴۵ و ۴۷) ''اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی تو کافر ہیں..... وہی تو ظالم ہیں..... وہی تو فاسق ہیں''۔ اس کفر' ظلم اور فسق

کے خلاف جب اقدام ہوگا کہ ہم یہ نہیں ہونے دیں گے تو اس کا لازمی نتیجہ تصادم کی صورت میں نکلے گا۔ ایک امکان ہے کہ اس میں انقلابی جماعت کو پسپائی ہو جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو فبہا' اور کیا چاہئے! اور اگر کامیابی نصیب ہو جائے تو اسی انداز سے ایک ایک کر کے منکرات کو اِس قوت کے ساتھ ہٹواتے چلے جائیں گے۔ یہی ہمارا مطلوب ہے۔ اس کے لئے اقتدار حاصل کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ حکومت طلب کرنا تو اصلاً بیماری اور مرض ہے۔ یہ بڑا پرخطر راستہ ہے۔ اِدھر کہاں جاتے ہو؟ مت ماری گئی ہے اُن کی جو اس راستے کو اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ اس راستے میں تو طالع آزما لوگ آپ کے ساتھ آئیں گے۔ آپ کو کیا پتہ کہ ان کے دل میں کیا ہے۔ کس کا دل چیر کر آپ دیکھیں گے؟ کسی کے دل میں حبِّ جاہ اندر ہی اندر مچل رہی ہو تو آپ کو کیا پتہ! لیکن اس انقلابی راستے پر تو وہی آئے گا جو سر پر لاٹھی کھانے کو تیار ہو۔ یہاں وہی آئیں گے کہ جو اپنی جان کی بازی لگانے کو تیار ہوں۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا جو بلند ترین درجہ ہے اس میں جان کا خطرہ تو موجود ہے۔ اس لئے کہ تصادم ہو کر رہے گا۔ اگر حکومت پسپائی نہیں کر رہی ہے تو وہ لاٹھیاں برسائے گی' آنسو گیس چھوڑے گی' جیلوں میں ٹھونسے گی' گولیاں برسائے گی۔ تو اس میں جان کا اندیشہ تو بہرحال ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اب اس مضمون کو سورۃ التوبۃ کی اس آیت سے جوڑا گیا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۭ﴾ (التوبۃ:۱۱۱) ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں سے اُن کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں جنت کے عوض''۔ گویا اس کام کے لئے تو سرفروش چاہئیں۔ ﴿يُقٰتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۣ﴾ ''وہ جنگ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں' پس وہ قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں''۔ حضور ﷺ کے دَور میں تو دوطرفہ معاملہ تھا کہ مسلمان قتل کرتے بھی تھے اور قتل ہوتے بھی تھے' جبکہ اِس دَور میں صرف یک طرفہ طور پر قتل ہونے کا معاملہ ہے۔ اگرچہ اس کی شرائط پوری ہو رہی ہوں تو قتال بھی جائز ہے۔ اگر کچھ فساق و فجار

دین کے راستے کے اندر ایک رکاوٹ بن کر کھڑے ہو گئے ہوں اور آپ نے باقی سارے تقاضے پورے کر لئے ہوں تو کیا ان کی جانیں اتنی مقدس ہیں کہ ان کی وجہ سے دین کو پامال رہنے دیا جائے؟ یہ بات نہ عقل کی میزان پر پوری اترنے والی ہے اور نہ نقل کی میزان پر۔ حدیث نبویؐ میں جہاد بالید کے الفاظ ہیں۔ یعنی ہاتھ سے جہاد' قوت سے جہاد۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ دورِ نبویؐ میں جہاد بالید کا کیا تصور تھا جب حضور ﷺ نے جہاد بالقلب' جہاد باللسان اور جہاد بالید کے الفاظ ادا فرمائے؟ اس وقت تو جہاد بالید کے معنی قتال ہی کے تھے' کیونکہ اس وقت تو مظاہروں (demonstrations) کا کوئی طریقہ نہیں تھا اور نہ ہی یہ موجودہ سیاسی ادارے وجود میں آئے تھے۔ یہ تو آج کے دور میں اس عمرانی ارتقاء کی بنیاد پر مظاہروں اور گھیراؤ کی صورت پیدا ہوگئی ہے۔ لہٰذا میرے نزدیک اس حوالے سے امام ابوحنیفہؒ کا موقف صد فی صد درست ہے۔ کچھ بہت ہی محتاط قسم کے لوگ اور بعض روایات کے ظاہر پر بہت زیادہ ڈیرہ ڈال دینے والے یہ سمجھ بیٹھے کہ کسی حال میں بھی مسلمان کے خلاف بغاوت نہیں کی جاسکتی الّا یہ کہ وہ کلمۂ کفر کہے اور کفر کو نافذ کرے۔ اس کے لئے حکمت کی ضرورت ہے کہ اس موضوع پر جملہ روایات کو سامنے رکھ کر اُن میں تطبیق پیدا کی جائے' ان کو جمع کیا جائے' ان میں باہم موازنہ کیا جائے اور پھر اُن سے نتیجہ نکالا جائے۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ فاسق و فاجر حکمرانوں کے خلاف بغاوت کی جاسکتی ہے' البتہ اس کی شرائط بہت ساری ہیں۔ لہٰذا اس کو بھی آپ مطلقاً خارج از بحث نہ کیجئے۔ آج اس کو خارج از بحث کرنے کا جو تصور ہے یہ سب سے زیادہ زور اور شدت کے ساتھ غلام احمد قادیانی نے دیا تھا اور یہ چیزیں ہمارے بہت سے حلقوں کے ذہنوں کے اندر مختلف درجے میں سرایت کئے ہوئے ہیں۔ بہرحال میں نے اس کو سورۃ التوبۃ کی آیت ۱۱۱ کے ساتھ جوڑا ہے۔ جن مؤمنین نے جنت کے عوض اللہ سے اپنے جان و مال کا سودا کیا ہے وہ کس ہستی کے ہاتھ پر کیا ہے' یہ ہم سورۃ الفتح کی آیت میں پڑھ چکے ہیں: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ﴾ ''یقیناً جو لوگ آپؐ

سے بیعت کر رہے ہیں وہ دراصل اللہ سے بیعت کر رہے ہیں''۔

اب اگلی آیت (آیت ۱۱۲) میں ان مؤمنین کے نو اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ ایک بات تو یہ نوٹ کیجئے کہ ابتدا ''التَّائِبُوْنَ'' کی صفت سے ہے کہ وہ اللہ کے حضور توبہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہ پہلا قدم ہے۔ تنظیم اسلامی کے ہر کتابچے پر ہماری ایک تحریر چھپتی رہی ہے: ''تنظیم اسلامی کی اساسی دعوت: تجدید ایمان' توبہ' تجدید عہد''۔ تو یہ نقطۂ آغاز ہے۔ ایک مسلمان معاشرے میں اصلاح کا آغاز ایمان لانے سے نہیں بلکہ ایمان کی تجدید سے ہوگا۔ اسی کا نام توبہ ہے۔ اس کے بعد دوسری صفت ''اَلْعٰبِدُوْنَ'' ہے کہ اب خود اللہ کے بندے بنو' اس کی بندگی کے تقاضے پورے کرو۔ جیسا کہ سورۃ الحج کے آخر میں ارشاد ہوا: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۞﴾ ''اے ایمان والو! رکوع کرو' اور سجدہ کرو' اور اپنے ربّ کی بندگی کرو اور بھلائی کے کام کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ''۔ پہلے قدم کے بغیر دوسرا قدم نہیں ہوگا اور دوسرے قدم کے بغیر تیسرا قدم نہیں ہوگا۔ اس کے بعد ''اَلْحٰمِدُوْنَ'' کی صفت آئی ہے کہ وہ اللہ کی حمد کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس کا زیادہ تعلق انسان کے شعور' ذہن اور فکر کے ساتھ ہے۔ جتنی اللہ کی معرفت بڑھے گی اتنی ہی اللہ کی حمد کی جا سکے گی۔

اس کے بعد چوتھی صفت ''اَلسَّآئِحُوْنَ'' کی ہے کہ وہ سیاحت کرنے والے (لذاتِ دنیوی سے کنارہ کش رہنے والے) ہوتے ہیں۔ اس صفت کا عمل سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ سیاحت کسے کہتے ہیں؟ پرانے زمانے میں سیاحت یہ ہوتی تھی کہ لوگ بن باس لے لیتے تھے۔ جنگلوں کو نکل جاتے تھے۔ یہ تربیت کا ایک خاص اسلوب رہا ہے۔ اس نے ایک institution کی شکل اختیار کر لی جسے ہم ''رہبانیت'' کہتے ہیں۔ اس کی اسلام میں نفی کی گئی ہے۔ لیکن حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسلام میں ''سیاحت'' صوم یعنی روزہ ہے۔ یہ بھی تو ایک طرح کی رہبانیت ہے کہ نہ کھانا ہے' نہ پینا ہے اور نہ تعلق زن وشو ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ بھی اسلام کی رہبانیت ہے۔ اس میں بھی آدمی کو گھر کے

آرام اور گھر کی سہولتوں وغیرہ کو چھوڑ کر اللہ کی راہ میں نکلنا پڑتا ہے۔ یہاں اس چیز کو خاص طور پر نوٹ کیجئے۔ یوں سمجھئے کہ زمین سے جڑے رہنے کے ذہن اور مزاج کو بدلنا ہوگا۔ سیاحت اصلاً یہی ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلنا۔ یہ نہ ہو کہ ع حضرتِ داغ جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے! دنیا کے لئے تو بہتر سے بہتر اور اعلیٰ سے اعلیٰ کی تلاش میں یہاں سے وہاں نقل مکانی کرتے پھریں' لیکن دین کے معاملے میں یہ سمجھیں کہ یہ کیسے مناسب ہے کہ کسی کے ہاتھ میں اختیار دے دیا جائے کہ وہ جب ہمیں طلب کرے' ہم حاضر ہو جائیں گے۔ یہ چیز عکس ڈال رہی ہے انسان کے value structure پر کہ اس کے ہاں کس چیز کی کیا اہمیت ہے۔ کبھی اس بارے میں سوچا کہ دُنیوی معاملات میں تو گھر والے کبھی آڑے نہیں آتے' جہاں بہتر روزگار مل رہا ہو وہاں گھر والے خود بھیجتے ہیں اور سامان باندھنے میں بیوی بچے سب لگ جاتے ہیں' جبکہ دین کے معاملے میں کہتے ہیں پاگل ہو گئے ہو' دماغ خراب ہو گیا ہے؟ گھر بار چھوڑ رہے ہو؟ بیٹھے رہو! حالانکہ کوئی حرکت اس کے بغیر نہیں چل سکتی کہ یہ ترجیح معین ہو کہ تمہارا تعلق کس کے ساتھ ہے زمین سے یا اللہ سے؟ زمین سے یا دین سے؟ سورۃ العنکبوت میں یہی بات کہی گئی ہے: ﴿یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ ۝﴾ ''اے میرے اہل ایمان بندو! میری زمین وسیع ہے' پس تم میری ہی بندگی کرو''۔ یعنی دین کے تقاضے جہاں اور جس طور سے بہتر سے بہتر ادا ہوں وہاں چلے جاؤ۔ حرکت میں رہو! زمین کے اندر کہیں جڑیں نہ اتار لو کہ نہ زمین ہلے نہ ہم ہلیں۔ انسان سوچتا ہے کہ میں نے یہاں محنت کی ہوئی ہے' یہاں پریکٹس جمائی ہوئی ہے' میری بیس سال کی مشقت اس زمین میں گڑی ہوئی ہے' یہاں سے ہل جاؤں تو مجھے کہیں جا کر از سرِ نو پریکٹس جمانی ہوگی۔ یہاں میری شہرت ہے اور میرے تعلقات ہیں۔ تو فرمایا کہ یہ اللہ کی راہ میں سیاحت کرنے والے ہوتے ہیں۔ ان کا نظریہ بقول اقبال یہ ہوتا ہے ع ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست۔

پھر یہ کہ ﴿الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ﴾ وہ رکوع کرنے والے اور سجدہ کرنے

والے ہوتے ہیں۔ جھکنے کی ابتدا رکوع سے ہوتی ہے اور انتہا سجدہ ہے۔ آگے فرمایا: ﴿اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ﴾ ''(یہ) نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روک دینے والے اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے (ہوتے ہیں)''۔ اس میں لفظ ''اَلْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ'' نہایت اہمیت کا حامل ہے کہ اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے۔ اس کو سمجھ لیجئے کہ ایک ہے خود حدود اللہ پر قائم رہنا۔ اس کا حکم تو پہلے آ چکا ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو' دیکھنا موت نہ آئے مگر حالت فرمانبرداری میں۔ اور پھر ''اَلْعٰبِدُوْنَ'' میں بھی یہ بات آ گئی ہے۔ لہٰذا یہاں محض یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کی حدود کی خود حفاظت کرنا اور اس پر کاربند رہنا۔ یہ بات بھی اس کے مفہوم میں شامل ہے' مگر اس کا مطلب اصلاً یہ ہے کہ اللہ کی حدود کے پہرے دار بن کر کھڑے ہو جاؤ کہ انہیں اب نہیں توڑنے دیں گے۔ خدائی فوج دار بنو کہ ہم اللہ کے سپاہی ہیں اور اُس کی حدود کے محافظ ہیں۔ یہ ذمہ داری ہے جو تم پر ڈالی گئی ہے۔ ترتیب اور سیاق دیکھئے کہ کہاں سے چلی ہے یہ بات! ﴿اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ﴾ کہ اللہ کی حدود کے پہرے دار بن کر کھڑے ہو جاؤ' سنتری بن جاؤ! کوئی تمہیں گرانے کے بعد ہی اللہ کی حد توڑ سکے۔ جیسے گاندھی نے کہا تھا: پاکستان صرف میری نعش پر بن سکتا ہے۔ جسے ہم محاورے میں کہتے ہیں کہ فلاں کام ہم جیتے جی نہیں ہونے دیں گے۔ تو ''اَلْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ'' کا یہاں یہ مطلب ہے۔ یہ ہے اقدام کا عنوان! یہ ہے ایک بگڑے ہوئے اسلامی معاشرے میں قرآن و حدیث کی رہنمائی میں اسلامی انقلاب کے لئے آخری اقدام!!

بارك الله لي ولكم في القرآن العظيم ونفعني وإياكم بالآيات والذكر الحكيم

(ترتیب وتسوید: طارق اسماعیل ملک)

رمضان المبارک

نیکیوں کی نشوونما کا موسم بہار

تحریر: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

رمضان المبارک اسلامی سال کا نواں مہینہ ہے۔ یہ مہینہ امتیازی شان رکھتا ہے' کیونکہ اس میں قرآن پاک نازل ہوا۔ رسول پاک ﷺ کی بہت سی احادیث میں اس ماہِ مبارک کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ رمضان حصولِ ثواب کے لئے سازگار ماحول مہیا کرتا ہے۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ معمول تھا کہ وہ رمضان کے استقبال کی خصوصی تیاری کرتے تھے۔ مسلمانوں کو اس مہینہ کے روزے رکھنے کا حکم ہے اور روزہ ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آغازِ رمضان سے ایک روز قبل رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں تفصیل کے ساتھ ماہِ رمضان کا تعارف کرایا اور شب و روز کے معمول بتائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((يَا اَيُّهَا النَّاسُ فَقَدْ اَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيْمٌ' شَهْرٌ مُّبَارَكٌ ' شَهْرٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ شَهْرٍ ' جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهٗ فَرِيْضَةً وَقِيَامَ لَيْلِهٖ تَطَوُّعًا . مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِّنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ' وَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ ' وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ' وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ' وَشَهْرُ الْمَوَاسَاةِ' وَشَهْرٌ يُزَادُ فِيْهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ . مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ صَائِمًا كَانَ لَهٗ مَغْفِرَةً لِذُنُوْبِهٖ وَعِتْقُ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ' وَكَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُّنْتَقَصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْءٌ)) قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَيْسَ كُلُّنَا يَجِدُ مَا يُفَطِّرُ بِهِ الصَّائِمَ' فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ :((يُعْطِي اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى مَذْقَةِ لَبَنٍ اَوْ شَرْبَةٍ مِّنْ مَّاءٍ' وَمَنْ اَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِيْ شُرْبَةً لَّا يَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ' وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَّاَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَّآخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ' وَمَنْ خَفَّفَ عَنْ مَّمْلُوْكِهٖ فِيْهِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَاَعْتَقَهٗ مِنَ النَّارِ))

((رواہ البیھقی فی شعب الایمان' بحوالہ مشکوٰۃ' کتاب الصوم)

''لوگو! تمہارے اوپر ایک عظمت والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے۔ یہ برکت والا مہینہ ہے۔ اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مہینہ کے روزے فرض قرار دیئے ہیں اور اس کی رات کی عبادت نفل قرار دی ہے۔ جو شخص اس مہینہ میں کسی نیکی سے خدا کی قربت تلاش کرے (یعنی خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے نفل عبادت کرے) اس کا ثواب اتنا ہی ہوتا ہے جتنا رمضان کے سوا دوسرے مہینوں میں فرض کا۔ اور جو شخص اس مہینہ میں فرض ادا کرے اس کو غیر رمضان میں ادا کئے ہوئے فرض سے ستر گنا ثواب ملتا ہے۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے۔ یہ غم خواری کا مہینہ ہے۔ اس میں مؤمن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ جو شخص اس مہینہ میں کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے وہ اس کے لئے گناہوں کی بخشش کا سبب ہوتا ہے اور دوزخ کی آگ سے نجات کا ذریعہ۔ اور اس کو بھی روزہ دار کے برابر ثواب ملتا ہے جبکہ روزہ دار کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہوتی''۔ ہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! ہم سب کے پاس اتنا سامان نہیں ہے کہ اس سے ہم روزہ داروں کے روزے افطار کرائیں! آپؐ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی عطا فرماتا ہے جو لسّی کے ایک گھونٹ' ایک کھجور یا پانی کے ایک گھونٹ سے کسی کا روزہ افطار کرائے' اور جو شخص روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلائے اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض سے ایسا سیراب کرے گا کہ پھر اس کو کبھی پیاس نہ لگے گی حتیٰ کہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اور یہ مہینہ ایک ایسا مہینہ ہے کہ اس کے ابتدا میں رحمت ہے' درمیان میں مغفرت اور آخر میں دوزخ سے نجات۔ اور جس شخص نے اس مہینہ میں اپنے (روزہ دار) غلام پر کام کا بوجھ ہلکا کر دیا اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے اور اسے دوزخ کی آگ سے نجات دیتا ہے''۔

اس حدیث سے رمضان المبارک کا پروگرام واضح طور پر سمجھ میں آ رہا ہے کہ مسلمان دن کو روزہ رکھیں' یعنی رضائے الٰہی کی خاطر بھوک اور پیاس برداشت کریں' اور رات کو قیام کریں' یعنی اجتماعی طور پر قرآن کی تلاوت اور سماعت کا اہتمام کریں جسے عرفِ عام میں نمازِ تراویح کہا جاتا ہے۔ چونکہ ان ایام میں تھوڑی عبادت کا زیادہ ثواب ملتا ہے اس لئے رمضان المبارک میں مساجد کی رونق بڑھ جاتی ہے' لوگ بکثرت نوافل پڑھتے اور تلاوت کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ [وَفِیْ رِوَایَةٍ : فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ] وَاُغْلِقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ ' وَسُلْسِلَتِ الشَّیَاطِیْنُ)) وَفِیْ اُخْرٰی ((فُتِحَتْ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ)) (متفق علیه)

''جب رمضان شروع ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے [ایک دوسری روایت میں ہے کہ جنت کے دروازے] کھول دیئے جاتے ہیں' اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں' اور شیطانوں کو زنجیریں پہنا دی جاتی ہیں''۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں''۔

اس طرح رمضان المبارک میں ربّ العزت کی طرف سے نیکی کمانے کے لئے سازگار ماحول میسر کیا جاتا ہے۔ لیکن یہاں ایک لمحۂ فکریہ بھی ہے کہ سازگار ماحول کی فراہمی کے باوجود جو لوگ رمضان میں اپنے شب و روز کے معمولات تبدیل نہیں کرتے اور بدستور برائی پر عمل پیرا رہتے ہیں' وہ انتہائی ناپسندیدہ قرار پاتے ہیں اور خدا کے غضب کے سزاوار بنتے ہیں' کیونکہ جو لوگ سرکش شیطانوں کے قید کر دیئے جانے کے باوجود بھی گناہ کرتے ہیں گویا کہ وہ اپنی ذات کو گناہوں کا اس حد تک خوگر بنا چکے ہوتے ہیں کہ اب انہیں کسی بیرونی تحریص و ترغیب کی ضرورت نہیں رہتی' بلکہ ان کے باطن میں شیطان نے ہمہ وقتی بسیرا کر رکھا ہے۔

رمضان کا مہینہ باطنی صفائی کے لئے تربیت فراہم کرتا ہے۔ وہ لوگ خوش قسمت ہیں جو اِس ماہِ مبارک کے ماحول سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ دن کو پورے آداب

کے ساتھ روزہ رکھتے اور شب کو دل کی آمادگی کے ساتھ نماز تراویح میں شرکت کرتے ہیں۔ ایسے لوگ روزے کی حالت میں جہاں کھانے پینے کی پاکیزہ' طیب اور حلال چیزیں نہیں کھاتے وہاں مکروہات' ممنوعات اور منکرات کے قریب بھی نہیں پھٹکتے' جھوٹ اور غیبت سے بچتے اور برائیوں سے دُور رہتے ہیں۔ اس طرح ایک ماہ کی تربیت انہیں واقعی گناہوں سے متنفر اور نیکیوں سے مانوس کر دیتی ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ کئی لوگوں نے رمضان المبارک کے بابرکت اور سازگار ماحول سے فائدہ اٹھایا اور منشیات کے استعمال جیسی بری عادات کو ترک کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

بعض ناپختہ فہم لوگ رمضان المبارک کے پروگرام کی حکمت کو نظرانداز کرتے ہوئے اس ماہِ مبارک سے پورا فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو روزہ تو ضرور رکھتے ہیں لیکن برائیوں کے ارتکاب سے پرہیز اُن کے پروگرام میں شامل نہیں ہوتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِي اَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ))

''جو شخص (روزہ کی حالت میں) جھوٹ بولنا اور برا کام کرنا نہ چھوڑے تو اللہ کو اِس کی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے''۔ (صحیح بخاری)

گویا رمضان المبارک میں بھوکا پیاسا رہنا اور رات کا قیام حصولِ مقصد کے لئے واسطہ ہے اور اصل مقصد تقویٰ ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشادِ خداوندی ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ (البقرة:۱۸۳)

''اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا' تا کہ تم پرہیزگار بنو''۔

پس روزہ وہی مفید ہے جو انسان کے معمولات پر اثر انداز ہو کر اسے پرہیزگار بنا دے۔ بالفاظِ دیگر اسے بھلائیاں مرغوب ہو جائیں اور برائیوں سے نفرت پیدا ہو جائے۔ فھوالمطلوب!

انفاق فی سبیل اللہ

انجینئر نوید احمد ☆

مفہوم

انفاق کے معنی ہیں کسی شے کو خرچ کرنا یا کھپا دینا۔ جب یہ خرچ اللہ کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق کسی کارِ خیر کے لئے کیا جاتا ہے تو اسے انفاق فی سبیل اللہ کہتے ہیں۔ وسیع مفہوم میں انفاق صرف مال خرچ کرنے کے لئے نہیں بلکہ ہر اُس شے کو خرچ کرنے کے لئے آتا ہے جس پر انسان کو یہ اختیار حاصل ہو۔ گویا مال کے علاوہ جسمانی صلاحیت، اولاد، املاک وغیرہ کو اللہ کی راہ میں لگانا بھی انفاق فی سبیل اللہ میں شامل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ﴾ (الحدید:۷)

''اور خرچ کرو ہر اُس شے میں سے جس پر تمہیں خلافت دی گئی ہے''۔

یعنی تصرف کا عارضی اختیار دیا گیا ہے۔

اقسام

انفاق فی سبیل اللہ کے لئے دو مدات ہیں۔

i) صدقہ: بندوں کی احتیاج پوری کرنے کے لئے مال خرچ کرنا۔

ii) قرضِ حسنہ: اللہ کے دین کی تبلیغ اور غلبے کے لئے مال خرچ کرنا۔

سورۃ الحدید کی آیت ۱۸ میں ان مدات کا ذکر اس طرح سے ہے:

﴿اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ﴾

''بے شک جو صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی خواتین ہیں اور جو

☆ اکیڈمک ڈائریکٹر قرآن اکیڈمی، کراچی

لوگ اللہ کو قرضِ حسنہ دیتے ہیں' دو چند کر دیا جائے گا ان کے لئے اس (انفاق) کو اور ان کے لئے عزت کا صلہ ہے''۔

اہمیت

انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت کے حوالے سے قرآن و حدیث کی روشنی میں چند نکات حسب ذیل ہیں:

ا) انفاق فی سبیل اللہ قربِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ﴾ (التوبۃ:۹۹)

''اور بعض دیہاتی ایسے ہیں کہ اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو اللہ کی قربت اور اس کے رسولؐ کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں' بلاشبہ وہ ان کے لئے قربت کا باعث ہے''۔

اللہ کی قربت اسی وقت نصیب ہوتی ہے جب دل سے مال اور دیگر علائقِ دُنیوی کی محبت نکل جائے۔ بقول خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ:

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آ جا اب تو خلوت ہو گئی!

ب) انفاق نیکی کا اوّلین و لازمی مظہر ہے۔ از روئے الفاظ قرآنی:

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ﴾ (البقرۃ:۱۷۷)

''نیکی صرف یہی نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف مُنہ کر لو' بلکہ اصل نیکی اس کی ہے جو ایمان لایا اللہ پر اور روزِ آخرت پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتابوں پر اور رسولوں پر اور محبت کے باوجود مال دیا رشتہ داروں' یتیموں' محتاجوں' مسافروں اور مانگنے والوں کو' اور گردنوں (کے آزاد کرانے) میں''۔

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ (آل عمران:۹۲)
''(مؤمنو!) جب تک تم ان چیزوں میں سے جو تمہیں عزیز ہیں (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو گے کبھی نیکی حاصل نہ کر سکو گے''۔

انفاق منافقت کا علاج ہے۔ سورۃ المنافقون کے آخر میں فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۞ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۞ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (المنافقون:۹۔۱۱)
''اے مؤمنو! کہیں تمہارا مال اور تمہاری اولاد تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں اور جو ایسا کرے گا تو وہی لوگ خسارا اٹھانے والے ہیں اور ہم نے جو کچھ تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہا کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آ کھڑی ہو پھر وہ کہنے لگے: اے میرے ربّ! تو نے مجھے کچھ اور مہلت کیوں نہ دی کہ میں خیرات کرتا اور نیک لوگوں میں شامل ہو جاتا؟ اور جب کسی کی موت آ جاتی ہے تو اللہ اس کو ہرگز مہلت نہیں دیتا' اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے''۔

انفاق ہلاکت سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ فحوائے الفاظ قرآنی:

﴿وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۚ﴾ (البقرۃ:۱۹۵)
''اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو''۔

انفاق کرنے کا حکم

قرآن حکیم میں سولہ بار انفاق کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس حوالے سے چند آیات حسب ذیل ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ﴾ (البقرۃ:۲۵۴)

''اے ایمان والو! جو (مال) ہم نے تمہیں دیا اُس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ کوئی تجارت کام آئے گی' نہ کوئی دوستی اور نہ ہی کوئی سفارش''۔

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (التغابن:١٦)

''پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جہاں تک تمہارا بس چلے اور سنو اور اطاعت کرو (اے مؤمنو) اور (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو۔ (یہ) بہتر ہے تمہارے حق میں۔ اور جو شخص جی کے لالچ سے بچالیا گیا تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔''

﴿قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ﴾ (ابراھیم:٣١)

''(اے نبیؐ!) میرے مؤمن بندوں سے کہہ دو کہ نماز قائم کریں اور ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے در پردہ اور ظاہر خرچ کرتے رہیں' اس دن کے آنے سے پیشتر جس میں نہ (اعمال کا) سودا ہوگا اور نہ دوستی (کام آئے گی)۔''

انفاق کرنے کے لئے پکار

قرآن حکیم میں بعض مقامات پر جھنجھوڑنے کے اسلوب میں انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا گیا ہے۔ مثلاً:

﴿وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ﴾ (الحدید:١٠)

''اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے' حالانکہ آسمانوں اور زمین کی وراثت اللہ ہی کی ہے؟''

﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۗ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ (البقرة:٢٤٥)

''کوئی ہے کہ اللہ کو قرضِ حسنہ دے کہ وہ اس کے بدلے اس کو کئی حصے زیادہ دے گا اور اللہ ہی روزی کو تنگ کرتا اور (وہی اسے) کشادہ کرتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے''۔

﴿وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۗ﴾ (النساء:٣٩)

''ان کا کیا نقصان ہوتا اگر وہ اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان لاتے اور جو کچھ اللہ نے ان کو دیا تھا اُس میں سے خرچ کرتے''۔

ہر حال میں انفاق کرتے رہنا چاہئے

ا) خوشحالی اور تنگدستی میں انفاق کرنا۔

﴿اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ﴾ (آل عمران: ۱۳٤)

''(متقین وہ ہیں) جو خوشحالی اور تنگدستی (دونوں حالتوں) میں خرچ کرتے ہیں اور غصے کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں''۔

ب) رات اور دن پوشیدہ وظاہر انفاق کرنا۔

﴿اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ (البقرۃ: ۲۷٤)

''جو لوگ اپنا مال رات اور دن اور پوشیدہ اور ظاہر (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں ان کا صلہ اللہ کے پاس ہے اور اُن کو (قیامت کے دن) نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے''۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنے کئی ارشادات میں ہر حال میں انفاق کی ترغیب دی ہے:

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''تم اللہ کے بھروسہ پر اس کی راہ میں کشادہ دستی سے خرچ کرتی رہو اور گنومت۔ اگر تم اس کی راہ میں اس طرح حساب کر کے دو گی تو وہ بھی تمہیں حساب ہی سے دے گا اور دولت جوڑ جوڑ کر اور بند کر کے نہ رکھو ورنہ اللہ بھی تمہارے ساتھ یہی معاملہ کرے گا۔ لہٰذا تھوڑا بہت جو کچھ ہو سکے اور جس کی توفیق ملے اللہ کی راہ میں کشادہ دستی سے دیتی رہو''۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ صدقہ سب سے افضل ہے جو تم اس زمانے میں دو جبکہ تم تندرست ہو اور ایسا نہ کرو کہ جب تمہاری جان حلق میں آ جائے اور تم مرنے لگو تب تم صدقہ کرو اور کہو کہ یہ فلاں کا

ہے اور یہ فلاں کا' اس لئے کہ اب تو وہ فلاں کا ہو ہی چکا''۔ (متفق علیہ)

دین کی مغلوبیت کے دَور میں انفاق کی فضیلت:

دین کی مغلوبیت کے دَور میں انفاق کرنے والوں کا اجر غلبۂ دین کے بعد انفاق کرنے والوں سے زیادہ ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا ۭ﴾ (الحدید: ۱۰)

''تم میں سے جس نے فتح سے پہلے انفاق کیا اور جنگ میں شرکت کی (اور جس نے یہ کام بعد میں کئے) برابر نہیں' ان لوگوں کا درجہ ان لوگوں سے کہیں بڑھ کر ہے جنہوں نے بعد میں انفاق کیا اور جنگ میں شریک ہوئے''۔

انفاق کی حد

قانونی اعتبار سے انفاق کی کم از کم حد زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔

اخلاقی اعتبار سے اخلاق کی حد یہ ہے کہ ضرورت سے زائد مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا جائے۔

﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۭ قُلِ الْعَفْوَ ۭ﴾ (البقرۃ: ۲۱۹)

''وہ آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کتنا مال خرچ کریں' تو کہہ دیجئے کہ جو ضرورت سے زیادہ ہو''۔

درمیانی صورت یہ ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی انفاق کیا جائے۔ ارشاداتِ نبویؐ ہیں:

((اِنَّ فِي الْمَالِ حَقًّا سِوَى الزَّكٰوةِ))

''یقیناً مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی (مستحقین کا) حق ہے''۔ (ترمذی)

ایک آدمی میدان میں جا رہا تھا کہ اچانک اس نے گھرے ہوئے بادلوں میں کسی کو یہ کہتے سنا: ''اے بادل! فلاں شخص کے باغ کو جا کر سیراب کر!'' تو وہ بادل ایک طرف کو گیا اور سیاہ مٹی والی پہاڑی زمین میں اُس بادل نے اپنا سارا پانی انڈیل دیا۔ وہاں ایک نالا تھا' اس نے سارا پانی اپنے اندر سمیٹ لیا اور بہہ نکلا۔ یہ مسافر پانی کے

ساتھ ساتھ چلا۔ آگے چل کر دیکھتا ہے کہ ایک آدمی اپنے باغ میں کھڑا بیلچہ سے پانی کا رُخ موڑ رہا ہے تاکہ اپنے باغ کے درختوں کو سینچے' تو باغ والے سے اس مسافر نے پوچھا: ''اے اللہ کے بندے! تیرا نام کیا ہے؟'' اس نے وہی نام بتایا جو اس نے بادلوں سے غیبی آواز سے سنا تھا۔ باغ والے نے اس سے پوچھا: ''تم نے مجھ سے میرا نام کیوں پوچھا؟'' مسافر نے کہا: ''میں نے بادل والے کو (یعنی اللہ کو) یہ کہتے سنا کہ جا! فلاں شخص کے باغ کو سیراب کر دے' تو بتاؤ تم اپنے باغ میں کون سا ایسا عمل کرتے ہو جس کی وجہ سے اللہ کی یہ رحمت تم پر ہوئی؟'' باغ والے نے کہا: ''جبکہ تم یہ بات پوچھ بیٹھے ہو اور معاملہ سے واقف ہو گئے ہو تو میں بتاتا ہوں۔ اس باغ سے مجھے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس کے تین حصے کرتا ہوں' ایک تہائی میں اللہ کے نام نکال دیتا ہوں' ایک تہائی سے مَیں اور میرے بال بچے کھاتے ہیں' اور ایک تہائی اسی باغ میں (سینچائی اور کھاد وغیرہ پر) لگا دیتا ہوں''۔ (مسلم)

انفاق کی روح

انفاق کی روح اخلاص ہے۔ انفاق کرنے کا مقصد صرف اور صرف اللہ کی رضا اور نجاتِ اُخروی کا حصول ہونا چاہئے۔ فرمایا گیا ہے:

﴿وَمَا تُنفِقُونَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۭ﴾ (البقرۃ:۲۷۲)

''اور تم جو بھی انفاق کرو تو وہ ہو اللہ کی خوشنودی کے لئے''۔

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ۝﴾ (المؤمنون:۶۰)

''اور وہ جو بھی دے سکتے ہیں دیتے ہیں اور ان کے دل اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کو اپنے ربّ کی طرف لوٹ کر جانا ہے''۔

﴿وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰي حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا۝ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا۝﴾ (الدھر:۸۔۱۰)

''اور وہ اس (اللہ) کی محبت کی خاطر محتاجوں' یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں' (اور کہتے ہیں) کہ ہم تم کو خالص اللہ کے لئے کھلاتے ہیں' نہ تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکر گزاری۔ ہم ڈرتے ہیں اپنے ربّ سے اس دن کے احساس سے جو سخت اداس کر دینے والا ہے''۔

قرآن حکیم میں بار بار یہ حقیقت بیان کی گئی کہ انسان اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرتا ہے وہ اللہ کے علم میں ہوتا ہے لہٰذا اس کا اعلان کرنے کی ضرورت نہیں۔

﴿وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۭ﴾ (البقرة: ٢٧٠)

''اور تم (اللہ کی راہ میں) جس طرح بھی خرچ کرو یا کوئی نذر پیش کرو تو اللہ بہر حال اس کو جانتا ہے۔''

﴿اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ (البقرة: ٢٧١)

''اگر تم خیرات ظاہراً دو تو وہ بھی خوب ہے' اور اگر پوشیدہ دو اور دو بھی اہل حاجت کو تو وہ خوب تر ہے اور (اس طرح کا دینا) تمہارے گناہوں کو بھی دُور کر دے گا' اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے۔''

انفاق کی حفاظت

حلال اور بہترین مال میں سے انفاق کیا جائے۔ از روئے الفاظ قرآنی:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ﴾ (البقرة: ٢٦٧)

''اے مؤمنو! جو پاکیزہ اور عمدہ مال تم کماتے ہو اور جو چیزیں ہم تمہارے لئے زمین سے نکالتے ہیں ان میں سے خرچ کرو اور ردی مال دینے کا ارادہ نہ کرنا کہ اگر وہ مال تمہیں دیا جائے تو قبول نہ کرو سوائے چشم پوشی کرتے ہوئے''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّبًا)) (مسلم)

''اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ صرف پاک مال ہی قبول فرماتا ہے''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص ایک کھجور کی قیمت یا اس کے برابر کوئی چیز صدقہ کرے گا اور وہ حلال کمائی میں سے ہوگی' اور اللہ تعالیٰ حلال کے سوا قبول نہیں فرماتا' تو اللہ تعالیٰ اس کے پاک صدقہ کو اپنے دائیں ہاتھ میں لے گا' پھر اس کو بڑھاتا رہے گا جس طرح تم اپنے جانوروں کی پرورش کرتے ہو اور بڑھاتے ہو یہاں تک کہ وہ تھوڑا سا صدقہ پہاڑ کی مانند ہو جائے گا''۔ (بخاری' مسلم' ترمذی)

احسان جتا کر' تکلیف دے کر اور دکھاوا کر کے انفاق کو ضائع نہیں کرنا چاہئے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ﴾ (البقرة:٢٦٤)

''اے مؤمنو! اپنے صدقات احسان جتلا کر اور ایذا دے کر برباد نہ کرو' اس شخص کی طرح جو لوگوں کو دکھانے کے لئے مال خرچ کرتا ہے اور اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا' اس (کے خرچ کردہ مال) کی مثال اس چٹان کی سی ہے جس پر تھوڑی سی مٹی پڑی ہو اور اس پر زور کی بارش برس کر اسے صاف کر ڈالے۔ (اسی طرح) یہ (ریاکار) لوگ اپنے اعمال کا کچھ بھی صلہ حاصل نہیں کر سکیں گے''۔

﴿وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا۝﴾ (النساء:٣٨)

''اور جو لوگ مال خرچ کرتے ہیں لوگوں کے دکھانے کے لئے' وہ (درحقیقت) ایمان نہیں رکھتے اللہ پر اور نہ ہی روزِ آخرت پر۔ (ایسے لوگوں کا ساتھی شیطان

ہے) اور جس کا ساتھی شیطان ہوا تو (کچھ شک نہیں کہ) وہ برا ساتھی ہے۔''

فرمان نبویؐ ہے کہ: ''تین قسم کے لوگوں سے اللہ روزِ قیامت کلام نہ فرمائے گا اور نہ اُن پر نظرِ رحمت فرمائے گا' جن میں سے ایک احسان جتلانے والا ہے''۔ (مسلم)

انفاق کا اجر وثواب

قرآن حکیم میں اکتیس بار انفاق کرنے والوں کی تحسین کی گئی ہے:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ (البقرۃ:۲۶۱)

''جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں' اُن (کے مال) کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیں اُگیں اور ہر بالی میں سو سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے اور بڑھا دیتا ہے اور وہ بڑی وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے۔''

﴿وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (التوبۃ:۱۲۱)

''اور (اسی طرح) وہ جو خرچ کرتے ہیں تھوڑا یا بہت یا کوئی وادی طے کرتے ہیں تو یہ سب کچھ ان کے لئے (اعمالِ صالحہ میں) لکھ لیا جاتا ہے تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دے''۔

﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗ اَجْرٌ كَرِيْمٌ﴾ (الحدید:۱۱)

''کون ہے جو اللہ کو (خلوص سے) قرضِ حسن دے تو وہ اس کو بڑھا کر لوٹائے اور اس کے لئے عمدہ بدلہ ہے''۔

﴿اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ﴾ (التغابن:۱۷)

''اگر تم اللہ کو قرضِ حسن دو گے تو تمہیں کئی گنا بڑھا کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا۔''

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا

وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ﴿ (فاطر:۲۹)

''جولوگ اللہ کی کتاب پڑھتے اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں' وہ اس تجارت (کے فائدے) کے امیدوار ہیں جو کبھی نقصان دہ نہ ہوگی۔''

نبی اکرم ﷺ نے اپنے کئی ارشادات میں انفاق کا اجر وثواب بیان فرمایا ہے:

''ہر بندے کو اللہ کا پیغام ہے کہ اے ابن آدم! تو اپنی کمائی خرچ کر' میں اپنے خزانہ سے تجھ کو دیتا رہوں گا''۔ (متفق علیہ)

حضرت عدی بن حاتم ؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''تم میں سے ہر شخص سے اس طرح محاسبہ ہوگا کہ اللہ اور بندے کے درمیان کوئی وکیل نہ ہوگا۔ وہ اپنی دائیں جانب دیکھے گا تو اس کے عمل کے سوا کچھ اور نظر نہ آئے گا' پھر بائیں جانب دیکھے گا تو اُدھر بھی سوائے اعمال کے کچھ اور نہ پائے گا' پھر وہ سامنے نظر ڈالے گا تو جہنم کو اپنے سامنے پائے گا۔ تو اے لوگو! آگ سے بچنے کی فکر کرو' اگر ایک کھجور کا آدھا حصہ ہی تمہارے پاس ہو اسی کو دے کر آگ سے بچو''۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو بکر صدیق ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے مسجد نبویؐ کے منبر پر رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''اے لوگو! جہنم کی آگ سے بچو۔ اگر تمہارے پاس ایک کھجور کا آدھا ٹکڑا ہی ہو تو وہی دے کر آگ سے بچو' اس لئے کہ صدقہ انسان کی کجی کو درست کرتا ہے' بُری موت مرنے سے بچاتا ہے اور بھوکے کا پیٹ بھرتا ہے''۔ (ترغیب)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی دن نہیں گزرتا مگر یہ کہ اللہ کی طرف سے دو فرشتے اترتے ہیں جن میں سے ایک دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! تو خرچ کرنے والے کو اچھا عوض دے اور دوسرا بددعا کرتا ہے کہ اے اللہ! بخل کرنے والے کو تباہ کر دے''۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بندہ کہتا ہے یہ میرا مال ہے' یہ میرا مال ہے' حالانکہ اس کے لئے اس کے مال میں تین حصے ہیں' جو کھا لیا وہ ختم ہو گیا' جو پہن لیا وہ بوسیدہ ہو گیا اور جو خرچ کر دیا (اللہ کی راہ میں) وہ

اس نے (اللہ کے ہاں) جمع کرلیا۔ اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ اس کا نہیں ہے' اسے تو وہ اپنے ورثہ میں لوگوں کے لئے چھوڑ جانے والا ہے''۔ (مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بکری ذبح کی گئی (اور اس کا گوشت لِلّٰہ تقسیم کر دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور) آپؐ نے دریافت فرمایا: ''بکری میں سے کیا باقی رہا؟'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''صرف ایک دستی اس کی باقی رہی ہے (باقی سب ختم ہو گیا)''۔ آپؐ نے فرمایا: ''اس دستی کے علاوہ جو للہ تقسیم کر دیا گیا دراصل وہی سب باقی ہے اور کام آنے والا ہے''۔ (ترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا' اور جب کوئی بندہ صدقہ کا مال سائل کو دینے کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہے تو سائل کے ہاتھ میں پہنچنے سے پہلے ہی وہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں پہنچ جاتا ہے''۔ (طبرانی)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن حساب کتاب ختم ہونے تک صدقہ دینے والا اپنے صدقہ کے سایہ میں رہے گا''۔ (مسند احمد)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ربّ کے حوالے سے یہ بات بیان فرمائی کہ ''اے آدم کے بیٹے! تو اپنا خزانہ میرے پاس جمع کر کے مطمئن ہو جا' اسے نہ آگ لگنے کا خطرہ ہے' نہ پانی میں ڈوبنے کا اندیشہ ہے اور نہ کسی چور کی چوری کا ڈر' میرے پاس رکھا گیا یہ خزانہ میں پورا پورا تجھے دوں گا اس دن جب کہ تو اس کا سب سے زیادہ محتاج ہوگا''۔ (طبرانی)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ ہیں:

''اپنا مال زمین پر جمع نہ کرو جہاں کیڑا بھی خراب کرتا ہے اور چوری کا بھی خوف ہے' بلکہ آسمان پر جمع کرو جہاں نہ کیڑا خراب کرتا ہے' نہ چوری کا خوف ہے اور مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جہاں تمہارا مال ہوگا وہیں تمہارا دل ہوگا''۔

انفاق نہ کرنے پر وعید

قرآن حکیم کے کئی مقامات پر انفاق نہ کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ۝﴾ (التوبۃ: ۳۴'۳۵)

''اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کے رستے میں خرچ نہیں کرتے (اے نبیؐ!) ان کو اس دن کے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے! جب وہ مال دوزخ کی آگ میں (خوب) گرم کیا جائے گا' پھر اُس سے ان (بخیلوں) کی پیشانیاں' پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور کہا جائے گا) یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا۔ سو جو تم جمع کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو''۔

﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨ ۝ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ۝﴾ (الھمزۃ: ۱'۲)

''تباہی ہے عیب جوئی کرنے والے اور طعنہ دینے والے کے لئے۔ جو مال جمع کرتا ہے اور اسے گن گن کر رکھتا ہے۔''

﴿كَلَّا ۭ اِنَّهَا لَظٰى ۝ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۝ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ۝ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى۝﴾ (المعارج: ۱۵۔۱۸)

''بے شک وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے' کھال ادھیڑ ڈالنے والی' ان لوگوں کو اپنی طرف بلائے گی جنہوں نے (دین حق سے) اعراض کیا اور (مال) جمع کیا اور بند کر کے رکھا''۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''رب کعبہ کی قسم! وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں جو بڑے دولت مند اور سرمایہ دار ہیں' ان میں سے وہی لوگ خسارے سے محفوظ ہیں جو اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں اپنی دولت کشادہ دستی کے ساتھ صرف کرتے ہیں' مگر دولت مندوں اور سرمایہ داروں میں ایسے بندے بہت کم ہیں''۔ (متفق علیہ)

یکے از قائدین ملت اسلامیہ ہند

سیّد شہاب الدین

(صدر آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت)

کے دو اہم خطوط اور اُن کا جواب

از قلم: ڈاکٹر اسرار احمد، بانی تنظیم اسلامی

(۱)

۸ ستمبر ۲۰۰۳ء

مکرمی و محترمی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۲۷ اگست ۲۰۰۳ء کے ندائے خلافت کے سرورق پر آپ کی تحریر نظر نواز ہوئی، جس میں آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ وطنی قومیت کے بجائے مسلم قومیت کو بطور اساس قبول کیا جائے۔ یہ اسی ریاست میں ممکن العمل ہے جس آبادی کی آج کے جمہوری دور میں غالب اکثریت مسلم ہے۔ لیکن منطق کے مطابق ہندوستان کی اکثریت ہندوستانی قومیت کے بجائے ہندو قومیت کیوں نہ اختیار کرے؟ اور اسی طرح ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے لوگ مسیحی قومیت کیوں نہ اختیار کریں؟ ظاہر ہے اس طرح سارے مسلم اقلیتی ملکوں کے مسلمان اپنی حکومتوں کی پالیسی کے تعین و تشکیل میں شرکت کرنے سے محروم ہو جائیں گے۔ دنیا کی ۳۵ فیصد مسلم آبادی اپنے ملکوں میں اقلیتی حیثیت رکھتی ہے۔ کیا

آپ نے اس مسئلے پر اس زاویئے سے غور کیا ہے؟

آپ نے یہ بھی کہا ہے کہ سیکولرزم کے تصور کو نکال دیا جائے۔ سیکولرزم کے کئی تصورات اور کئی معانی ہیں۔ آج بالعموم اس کے معنی ریاست اور مذہب کی قطعی جدائیگی نہیں ہے' بلکہ یہ ہے کہ ریاست تمام مذاہب کا احترام کرتے ہوئے مذہبی بنیاد پر شہریوں کے درمیان کوئی تفریق نہ برتے۔ میری نظر میں یہ عین اسلامی موقف ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کی تقسیم میں مؤمن اور کافر میں کوئی تفریق نہیں برتتا۔ اس کا پانی' اس کی ہوا' اس کی دھوپ سب کے لئے یکساں میسر ہے۔ آپ پرانی تعبیروں سے قطع نظر کر کے آج کی مروّج فکر کا احاطہ کریں جس میں دنیا مسلم اور غیر مسلم میں تقسیم نہ ہو بلکہ ایک ایسا عالمی نظام ابھر سکے جو سبھی مذہبوں کے ماننے والوں کے لئے ہر جگہ برابری کا ضامن ہو اور اسلامی اصولِ عدل و مساوات پر مبنی ہو۔ آپ کے ردِ عمل کا منتظر۔ والسلام

خاکسار

سیّد شہاب الدین

(۲)

۴/ اکتوبر ۲۰۰۳

مکرمی جناب حافظ عاکف سعید صاحب' مدیر ندائے خلافت

السلام علیکم

ندائے خلافت کے تازہ شمارہ برائے یکم اکتوبر ۲۰۰۳ء میں جناب عدنان ہارون صاحب کا مضمون نظر سے گزرا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اسلامی ریاست میں صرف مسلمانوں کو مکمل شہریت حاصل ہوگی اور غیر مسلم قانون سازی سے متعلق کوئی حقوق نہیں پا سکتے۔ میرے خیال میں حقوقِ شہریت قانون سازی میں شرکت سے زیادہ وسیع ہیں۔ جو ریاست اپنے شہریوں کے درمیان مذہب کی بنیاد پر تفریق کرتی ہے وہ نہ صرف سیکولرزم بلکہ انسانی حقوق کے کانٹے پر بھی پوری نہیں اترتی۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ ہوگا کہ

تمام ایسے ملکوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں یعنی غیر مسلم ریاستوں میں مسلمان بھی شہری حقوق سے محروم کر دیئے جائیں گے یا بین الاقوامی برادری تمام اسلامی ریاستوں کو اپنی مجلس سے خارج کر دے گی۔

دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ کون سا شہری مسلم ہے یا نہیں ہے' یہ طے کرنا ضروری ہو گا۔ پھر جس مذہب یا فقہ والے اکثریت میں ہوں گے وہ باقی تمام مسلمانوں کو غیر مسلم قرار دیں گے۔

میری رائے ہے کہ اس مسئلہ پر اور غور کرنے کی ضرورت ہے۔ قانون سازی کے لئے اصولی طور پر یہ طے کیا جائے کہ وہ قرآن وسنت کے خلاف نہیں ہو سکتی تو پھر یہ ضروری نہیں کہ مقننہ میں غیر مسلم ارکان نہ ہوں یا وہ بحث یا فیصلے میں شرکت سے محروم کر دیئے جائیں۔ ظاہر ہے وہ اقلیت میں ہوں گے اور اگر چاہیں بھی تو وہ قانون سازی کو غیر اسلامی رنگ نہیں دے سکتے۔

مسئلہ رہتا ہے صدارت اور وزارت کا۔ پارلیمنٹری نظام میں صدر کے اختیارات رسمی ہوتے ہیں اور وزیر اعظم اور دوسرے وزراء مسلم اکثریتی پارلیمنٹ کے تابع ہوں گے۔ لیکن پھر صدارتی نظام سے بہتر پارلیمانی نظام ہو سکتا ہے۔

خاکسار

سیّد شہاب الدین

جواب

۲۷/ اکتوبر ۲۰۰۳ء

محترمی ومکرمی جناب سیّد شہاب الدین صاحب! دامت فیوضکم!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ کے فضل وکرم سے امید ہے کہ آپ مع جمیع متعلقین واحباب بخیر وعافیت ہوں گے۔

آپ کا ایک خط میرے نام ۸/ ستمبر کا تحریر کردہ موصول ہوا تھا' اور دوسرا عزیزم حافظ عاکف سعید سلمہ کے نام ۴/ اکتوبر کا مرقومہ ملا۔ اس وقت وہ دونوں ہی پیش نظر ہیں۔ میں

آپ کا تہہ دل سے ممنون ہوں کہ آپ نے اپنی بے انتہا مصروفیات میں سے وقت نکال کر یہ خطوط تحریر فرمائے!

میرے اور آپ کے نقطہ ہائے نظر میں دو باتیں اصولی حیثیت کی حامل ہیں:

ایک یہ کہ اسلام صرف مذہب نہیں بلکہ مکمل دین ہے' آج کی دنیا میں مذہب کو انسان کا نجی مسئلہ قرار دیا جاتا ہے اور وہ بالعموم تین چیزوں پر مشتمل ہوتا ہے: (۱) عقیدہ (۲) مراسم عبادت (۳) معاشرتی رسومات وتقریبات'۔۔۔ جبکہ اسلام ''دین'' ہونے کے ناتے ان تینوں پر مستزاد سیاسی نظام' معاشرتی نظام' معاشی نظام' قانونِ فوجداری' قانونِ دیوانی' قانونِ وراثت' قانونِ شہادت' وقس علیٰ ذالک سب پر مشتمل ہے۔۔۔

دوسرے یہ کہ سیکولرزم کا مفہوم آپ یہ بیان کرتے ہیں کہ ''اس کا مفہوم ریاست و مذہب کی قطعی جدائی نہیں ہے' بلکہ یہ ہے کہ ریاست تمام مذاہب کا احترام کرتے ہوئے مذہبی بنیاد پر شہریوں کے مابین تفریق نہ کرے''۔ یہاں تک تو آپ کی بات صحیح ہے' لیکن اصل مسئلہ اس سے آگے ہے کہ سیکولرزم نظری طور پر تمام مذاہب کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ (اگرچہ بالفعل ہر سیکولر ملک کسی ایک مذہب کی سرکاری سرپرستی کرتا ہے) نظامِ اجتماعی کے ضمن میں کسی مذہب' کسی آسمانی ہدایت' کسی الٰہی شریعت کو تسلیم نہیں کرتا' بلکہ ''عوام کی حاکمیت'' کے اصول پر جملہ امور اجتماعی کو شہریوں کے نمائندوں کی کثرتِ رائے پر طے کرتا ہے!۔۔۔ اور یہ ہے وہ بات جو اسلام کے نزدیک کفر اور شرک ہے۔۔۔!! حاکمیت صرف اللہ کے لئے ہے جس کا مظہر یہ ہے کہ اس ریاست میں کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے منافی کوئی قانون سازی نہیں کی جاسکتی۔۔۔ آپ نے عزیزم عاکف سعید کے نام خط میں کہا ہے کہ ''قانون سازی کے لئے اصولی طور پر یہ طے کرلیا جائے کہ وہ قرآن و سنت کے خلاف نہیں ہوسکتی''۔۔۔ تو سوال پیدا ہوا کہ جملہ پیروانِ مذاہب کے مابین برابری کہاں رہی؟

ہاں اسلامی ریاست میں اقلیتوں کو پرسنل لاء میں مکمل آزادی' مذہب کے ضمن میں مکمل آزادی' ہر نوع اور ہر طرح کے کاروبار اور سرکاری ملازمتوں میں لیاقت کی بنا پر برابری کا حق۔۔۔ وغیرہ' ایسے جملہ امور کی کامل ضمانت دی جائے گی۔

اب رہا عملی مسئلہ ـــــ تو (۱) پاکستان ایسے ملک میں جہاں overwhelming majority مسلمانوں کی ہے' بالفعل غیر مسلموں کے نمائندوں کا پارلیمنٹ میں موجود ہونا عملاً کوئی فرق نہیں ڈالے گا ـــــ لیکن جب بات اصول کی ہو تو وہاں ہر نوع کی کیفیت کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ آخر بنگلہ دیش بھی تو مسلمان اکثریت کا ملک ہے' جہاں ہندوؤں کی تعداد معتد بہ اور مؤثر ہے ـــــ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ ہم اصولی بات کریں اور گندم نمائی اور جوفروشی نہ کریں ـــــ صاف صاف کہہ دیں کہ دو معاملات میں غیر مسلموں کی شرکت نہیں ہوگی : (i) ایک قانون سازی میں اور (ii) اعلیٰ ترین سطح کی policy making میں' اس لئے کہ اسلامی ریاست کی اعلیٰ ترین پالیسی یہ ہوگی کہ اسلامی نظام پوری دنیا کو export کیا جائے ـــــ اور ظاہر ہے کہ غیر مسلم اس کا قائل نہیں ہوسکتا۔

(۲) رہا ہندوستان کا معاملہ تو اس کے ضمن میں مَیں نے دس سال قبل آپ کے درِ دولت پر حاضر ہو کر جو کچھ عرض کیا تھا وہ پھر دہرائے دیتا ہوں ـــــ میرے نزدیک تو مسلمانانِ ہند نے یہ پالیسی غلط اختیار کی کہ سیکولرزم کی چھتری کو اپنے بچاؤ کے طور پر استعمال کیا جائے ـــــ اور وطنی قومیت کے اس نظریئے کو قبول کر لیا جس کی کامل نفی پر پاکستان کا قیام عمل میں آیا تھا ـــــ اور جس کے قیام کے ضمن میں زیادہ مؤثر اور فیصلہ کن کردار ہندوستان میں اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کا تھا۔ میرے نزدیک مسلمانانِ بھارت کو وہی پالیسی جاری رکھتے ہوئے یہ موقف اختیار کرنا چاہئے تھا کہ ہم جداگانہ قوم ہیں' اگر آپ ہمیں ریاست کی سیاسی ہیئت میں شامل رکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں جداگانہ نمائندگی دیجئے ـــــ ورنہ ہم اس میں سرے سے شریک ہی نہ ہوں گے۔ ہمیں بین الاقوامی قانون کے مطابق ''اقلیت'' کا درجہ دیجئے ـــــ واقعہ یہ ہے کہ وطنی قومیت اور بظاہر شہریوں کے سیاسی حقوق کے اعتبار سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کی برابری سے بھارتی مسلمانوں کو بالفعل حاصل کچھ بھی نہیں ہوا! ـــــ یہ مسئلہ بہت غور و فکر کا متقاضی ہے ـــــ آپ سے توقع کرتا ہوں کہ زمینی حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس معاملے پر از سرِ نو غور کریں گے۔

آپ کے خطوط میں اٹھائے ہوئے چند ضمنی مسائل کے ضمن میں عرض ہے کہ:

(i) مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ میں کبھی کسی فقہی یا مسلکی اختلاف پر کسی پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا گیا۔ حال ہی میں بعض حلقوں کی جانب سے جو اہل تشیع پر کفر کا فتویٰ لگایا جا رہا ہے وہ بھی کسی فقہی اختلاف کی بنا پر نہیں' بلکہ ان کے قرآن حکیم میں تحریف و ترمیم' خلفائے ثلاثہ اور بعض اکابر صحابہؓ و صحابیاتؓ پر سب و شتم کی اساس پر ہے! باقی رہا یہ مسئلہ کہ کون مسلمان ہے اور کون نہیں' تو یہ تو اسلامی معاشرے میں ہر مسلے میں پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ کسی مسلمان عورت کا نکاح صرف مسلمان ہی سے ہو سکتا ہے اور مسلمان باپ کی وراثت صرف مسلمان اولاد ہی کو مل سکتی ہے —— اور اگر ریاست کی سطح پر صرف یہ بھی طے کر دیا جائے کہ یہاں صدر یا وزیر اعظم صرف مسلمان ہو سکتا ہے تب بھی یہ مسئلہ تو لامحالہ پیدا ہو گا!

(ii) نظام خلافت راشدہ سے مشابہ تر صدارتی نظام ہے —— پارلیمانی نظام ایک تو سربراہِ ریاست اور سربراہِ حکومت کے دو منصب قائم کر کے تقسیم اختیارات کے ضمن میں ایک لاینحل صورت پیدا کرتا ہے' نیز وزراء کا پارلیمنٹ ہی سے لیا جانا اہل تر لوگوں کی خدمات سے ریاست کو محروم کرتا ہے —— اور بدرجۂ آخر دو چار ارکان کے ادھر سے اُدھر ہو جانے پر حکومت میں زلزلہ پیدا کر کے عدم تسلسل کو جنم دیتا ہے۔ یہ نظام اصلاً انگریزوں کی وراثت ہے جنہیں اپنی روایت پرستانہ ذہنیت کے تحت لامحالہ بادشاہ یا ملکہ کو سر پر اٹھائے رکھنا ہے جس کی گنجائش صرف پارلیمانی نظام میں ہے۔

(iii) ہندوؤں اور مسیحیوں کی اپنی ضرورت سیکولر نظام ہے۔ اس لئے کہ ان کے یہاں کوئی قانون اور نظام سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عیسائیوں میں مذہب کے ریاست کے ساتھ منتھی ہونے سے پاپائیت جیسی بدترین theocracy وجود میں آئی —— جبکہ ہندومت کسی ایک مذہب کا نام ہی نہیں ہے —— اس کے دائرے میں متضاد عقائد و نظریات شامل ہیں —— اور خود اُن کا کہنا یہ ہے کہ یہ مذہب نہیں' صرف ایک کلچر کا نام ہے —— بنابریں ان کے یہاں بھی کسی ہندو نظامِ حکومت کا تصور موجود نہیں ہے ——

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

قسط وار سلسلہ (۵)

جدید دنیائے اسلام

افغانستان جدید

(گزشتہ سے پیوستہ)

تحقیق وتحریر: سید قاسم محمود

افغانستان کے بادشاہ ظاہر شاہ کا چالیس سالہ دور اُس کے قریبی رشتہ دار لیفٹیننٹ جنرل سردار داؤد خان نے ختم کر کے اقتدار حاصل کیا۔ اسے رُوس کی اشیر باد حاصل تھی۔ فوجی انقلاب کے بعد داؤد خان نے ''قومی انقلابی پارٹی'' قائم کی اور اس کو ملک کی واحد سیاسی پارٹی قرار دیا گیا۔ اس پارٹی کا نام ''ملی غور جنگ'' تھا۔ کمیونزم کا نعرہ لگایا گیا اور جون ۱۹۷۴ء میں بینکوں کو قومی ملکیت میں لے کر اشتراکیت کی طرف پہلا قدم اٹھایا گیا۔ سردار داؤد اگرچہ ابتداء ہی سے بائیں اور دائیں کی سیاست سے الگ رہنا چاہتا تھا' لیکن رُوس کے۔ پروردہ ایجنٹ جو ظاہر شاہ کے زمانے میں داؤد کی معرفت فوج' انتظامیہ اور عدلیہ میں آ گھسے تھے' انہوں نے داؤد کے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا۔ اُدھر رُوسی حکمرانوں کو یہ بات جلد ہی معلوم ہوگئی کہ داؤد اُن کے کام کا صحیح آدمی نہیں ہے۔ چنانچہ ایک سکہ بند کمیونسٹ عبدالقادر نے اشارہ ملتے ہی بغاوت کر دی' لیکن ناکام ہو کر گرفتار ہوا۔ ماسکو نے پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق عبدالقادر اور سردار داؤد میں غلط فہمیاں دور کرا دیں۔ اب عبدالقادر اعتماد حاصل کرنے میں مصروف ہوا۔

۱۹۷۶ء اور ۱۹۷۷ء میں سردار داؤد نے دائیں بازو کی سیاست میں طرف داری کی اور چند ایسے اقدامات کئے جن سے کمیونسٹ سخت پریشان ہوئے۔ جب داؤد نے بعض مسلم ملکوں کے دورے کئے تو رُوس نے اسے اقتدار سے الگ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ ۱۹۷۷ء میں رُوس کے اشارے پر کمیونسٹوں نے داؤد کے خلاف شورش برپا کر دی۔ داؤد نے ۱۹۷۷ء کا پورا سال ہنگاموں سے نمٹنے میں گزار دیا۔ بائیں بازو کی ٹریڈ یونین نے داؤد کے خلاف جو بے چینی پیدا کر دی تھی' اس کے سبب ۱۹۷۷ء تک پانچ ہزار سے بھی زائد افراد قتل ہو چکے تھے۔ حقیقی امن تباہ و برباد ہو چکا تھا۔ اس دوران میں امیر اکبر خیبر کو قتل کیا گیا' جس کے جنازے میں ہزاروں افراد نے شرکت کی۔ نور محمد ترہ کئی اور حفیظ اللہ امین جنازے کے انتظامات کرنے والوں میں پیش پیش تھے۔ امیر اکبر خیبر کے قتل کے بعد امن و استحکام کی فضا مزید خراب ہوتی چلی گئی۔ اپریل ۱۹۷۸ء تک آٹھ ہزار افراد قتل ہو چکے تھے۔ آخر کار

رُوس نے افغان کمیونسٹوں کی مدد سے سردار داؤد کا تختہ الٹ دیا۔ اسے قتل کیا گیا اور نور محمد ترہ کئی کو افغانستان کا مالک بنا دیا جو کہ رُوس کے دیرینہ ایجنٹوں میں سے تھا اور ان کی درپردہ ہر سازش میں شریک رہتا تھا۔

نور محمد ترہ کئی کا دورِ حکومت

اپریل ۱۹۷۸ء میں سردار داؤد خان کے خلاف فوجی انقلاب لانے والوں کا لیڈر نور محمد ترہ کئی تھا۔ وہ ''خلق پارٹی'' کا چیئرمین تھا۔ اس کا نائب حفیظ اللہ امین تھا۔ ترہ کئی نے انقلاب لانے کے فوراً بعد اعلان کیا کہ داؤد ظالم تھا اور اس کی پالیسیاں افغانستان اور عوام کے لئے تباہ کن تھیں۔ اس نے ۲۷ اپریل کو اعلان کیا کہ نئی افغان پالیسی اسلامی اخوت' دوسروں کے ساتھ باہمی تعاون' اچھی ہمسائیگی اور مذہبی روایات پر استوار ہوگی۔ انہوں نے ملکی قانون کے بارے میں واضح کیا کہ ہم افغانستان میں کمیونسٹ نظام رائج نہیں کریں گے۔ افغانستان ایک غیر جانبدار ملک ہوگا اور کسی کے زیر اثر نہیں رہے گا۔ پاکستان کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے نور محمد ترہ کئی کے نام ایک خط میں اس امر کی وضاحت کی کہ پاکستان افغانستان کی نئی حکومت کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کرنا چاہتا ہے۔ یہ خط لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ سردار داؤد نے پاکستان دشمنی کی پالیسی اختیار کی تھی اور پختونستان کے مسئلے کو بہت اچھالا تھا۔ نیز سردار داؤد کے عہد میں تحریک اسلامی پر مظالم ڈھائے گئے تھے اور بیشتر کارکنوں کو شہید کر دیا گیا تھا۔ مسلم طلبہ پر بہت ظلم کیا گیا۔ مسلم خواتین پر تشدد کیا گیا۔ سردار داؤد ہی کے عہد میں ہزاروں افغان پاکستان کی طرف ہجرت کر کے داؤد کے خلاف اور اسلام کے حق میں پُرزور تحریک کے لئے مجتمع ہوتے چلے گئے۔

۶ جولائی ۱۹۷۸ء کو نور محمد ترہ کئی نے بعض وجوہ کی بنا پر ببرک کامل اور نور احمد نور کو واشنگٹن اور پراگ میں سفیر مقرر کیا۔ ۸ جولائی کو اسلام آباد میں متعین افغان سفیر نے ایک بیان میں کہا کہ حکومت نے قبائلی علاقوں میں بعض سمگلروں کے خلاف کارروائی کی ہے اور کرفیو نافذ کر دیا ہے' تاکہ انقلاب دشمن عناصر عوام کو پریشان نہ کریں۔ یہ انقلاب دشمن عناصر کون تھے؟ وہ اسلام پسند افغان جو اسلام کی خاطر گھر بار چھوڑ کر پاکستان آئے تھے اور کمیونزم کے خلاف اعلانِ جہاد کیا تھا۔

رُوس کی فوجی مداخلت

ستمبر ۱۹۷۹ء میں پرچم پارٹی کے لیڈر اور ترہ کئی کے دوست حفیظ اللہ امین نے نور محمد ترہ کئی کا تختہ الٹ دیا اور اسے قتل کرا دیا۔ تختہ الٹتے ہی اس نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے رُوسی آقاؤں کو یقین دلایا کہ وہ خود کو نور محمد سے بہتر ثابت کرے گا۔ حفیظ اللہ امین بھی کمیونسٹ اور رُوس کا ایجنٹ تھا' لیکن تین ماہ کے اقتدار کے بعد ہی دسمبر ۱۹۷۹ء میں رُوسی فوج نے پیش قدمی کر کے حفیظ اللہ امین کا تختہ الٹ دیا۔ سوویت یونین نے اپنے جارحانہ عزائم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ببرک کارمل کو مشرقی یورپ سے لا کر افغانستان کا حاکم بنا دیا۔ اس کے بعد افغانستان پر براہ راست حملے کی راہ ہموار کر کے ۸۵

ہزار افواج کے ساتھ ایک دیرینہ دوست اور کمزور افغانستان پر حملہ آور ہوا۔ افغانستان جیسے کمزور ہمسایہ ملک پر سوویت یونین کا حملہ کوئی نئی بات نہ تھی' بلکہ اس سے قبل بھی رُوسی کمیونسٹ سامراج نے وسط ایشیا کی مسلم اور کمزور ریاستوں پر قبضہ کیا تھا۔ ببرک کارمل کی دعوت کو بنیاد بنا کر افغانستان پر حملہ کیا اور پھر یہ بہانہ بھی کیا کہ افغانستان میں بیرونی مداخلت کے اختتام کی صورت میں واپس چلا جائے گا۔ پھر یہ بہانہ کیا کہ رُوسی فوجیں افغانستان میں رُوس افغانستان دوستی معاہدے کے تحت آئی ہیں۔ بہرصورت فوجی حملے کے بعد ۱۵۰۰ فوجی اور جاسوس ماہرین کو ۱۹۸۰ء میں افغانستان روانہ کیا' تاکہ افغانستان کے اندر فوجی امور اپنی نگرانی میں سرانجام دے سکے۔

۱۹۸۶ء میں ببرک کارمل کی جگہ ڈاکٹر نجیب اللہ کو کمیونسٹ پارٹی کا سربراہ بنایا گیا۔ رُوسی فوج کا کچھ حصہ واپس بلا لیا گیا۔ ۱۹۸۸ء میں ایک نیا آئین بنایا گیا جو اشتراکیت پر مبنی تھا۔ ۱۹۸۹ء میں امریکہ اور پاکستان کی امداد سے مجاہدین کی تحریکِ آزادی میں شدت آ گئی۔ ہنگامی حالت کا نفاذ ہوا۔ ۱۹۹۱ء میں امریکی و رُوسی فوجی امداد بند کر دی گئی۔ مجاہدین نے کابل حکومت کے ساتھ ساتھ رُوسیوں سے بھی مذاکرات کئے۔ اپریل ۱۹۹۲ء میں ڈاکٹر نجیب اللہ کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا اور پورا افغانستان مجاہدین کے تسلط میں آ گیا۔

مزاحمتی تحریک اور مجاہدین کا ظہور

افغانوں کی مزاحمتی تحریک اور مجاہدین کا ظہور پچاس کے عشرے میں شروع ہو گیا تھا' لیکن ان کا باضابطہ ورود ۱۹۶۴ء کا آئین وضع ہونے کے بعد ہوا۔ افغانستان میں نمائندہ حکومت یا جمہوریت کم ہو رہی ہے۔ نمائندہ حکومت کا آغاز ۱۹۳۱ء میں ہوا تھا۔ اس سال افغانستان میں نیا دستور وضع کیا گیا' جس کے تحت قانون سازی کے تمام اختیارات افغانستان کے بادشاہ' سینٹ اور ایوانِ زیریں کے سپرد کئے گئے۔ سینٹ اور ایوانِ زیریں مل کر پارلیمنٹ بنتی تھی۔ ۱۹۳۱ء کا آئین بننے کے بعد افغانستان لیگ آف نیشنز کا رکن بنا۔ نیا آئین ۱۹۶۴ء میں نافذ کیا گیا جس نے ''آئینی ملوکیت'' کی بنیادیں فراہم کی تھیں۔ اس آئین کی بنیادی اصلاحات یہ تھیں:

(۱) اختیارات کی تقسیم' عدلیہ کی انتظامیہ سے علیحدگی

(۲) خفیہ رائے دہی کے ذریعے انتخابات

(۳) قانون فوجداری۔ یہ اصول بھی تسلیم کیا گیا کہ ہر وہ شخص بے گناہ ہے جب تک اس کا قصوروار ہونا ثابت نہ ہو۔

(۴) تحریر و تقریر کی آزادی (۵) عائلی قوانین (۶) اجتماع کا حق

۱۹۶۴ء کے اس دستور کے تحت ''خلق'' اور ''پرچم'' سیاسی پارٹیاں وجود میں آئیں جو زیادہ تر مارکس پسند اور ماؤ پسند تھیں اور رُوس کے زیرِ اثر۔ ان پارٹیوں نے ''ندائے خلق'' کے نام سے ایک

اخبار جاری کیا۔ اگلے سال ۱۹۶۵ء میں ایوانِ زیریں کے انتخابات ہوئے' جس میں کمیونسٹوں نے بھرپور حصہ لیا۔ دوسرے انتخابات ۱۹۶۹ء میں ہوئے جس میں حفیظ اللہ امین اور ببرک کارمل دونوں کامیاب ہوئے۔ الیکشن میں ان دونوں کی کامیابی کے ساتھ ساتھ کمیونسٹوں کی اسلام دشمن سرگرمیاں بھی شروع ہوگئیں۔ علی الاعلان اسلامی شعائر پر تنقید کی جانے لگی' لیکن بادشاہ ظاہر شاہ نے اُن کے خلاف کسی قسم کی جرأت نہ کی۔ چنانچہ افغانستان میں کمیونسٹوں کا اثر و رسوخ بڑھتا چلا گیا جو کہ آخر کار ایک خونیں کمیونسٹ انقلاب پر منتج ہوا۔

ان کمیونسٹ پارٹیوں کے ردِعمل میں مسلم تحریکیں اور تنظیمیں بھی' پہلو بہ پہلو' ابھرنے لگیں۔ مسلم تحریکوں کے دو بنیادی مقاصد تھے:

(۱) کمیونسٹوں کے ابھرتے ہوئے اقتدار کا مقابلہ کرنا

(۲) ظاہر شاہ اور اس کے مصاحبان خاندان کی ملوکیت کو ختم کرنا

افغانستان میں کمیونسٹ پارٹیوں اور اسلام پسند جماعتوں کا ظہور ساتھ ساتھ ہوا۔ ان دونوں مخالف و متصادم گروپوں کے نظریات بھی مختلف اور سرپرست بھی مختلف تھے۔ افغانستان میں جمہوریت' عوام دوستی اور منتخب حکومت کے نام پر سیاسی جماعت بندی پہلی مرتبہ ہو رہی تھی۔ اس سے پہلے افغانستان کی تاریخ ان چیزوں سے ناآشنا تھی۔ ایک عجیب بات یہ تھی کہ ہر جماعت کے اقتصادی سرپرست اور سرمایہ فراہم کرنے والے ملک سے باہر تھے۔ حکومت اپنے وجود کی برقراری کے لئے بیرونی تعاون کی محتاج' اقتصادی ترقی کے لئے بیرونی سرمائے کی محتاج' امن و امان برقرار رکھنے کے لئے فوج اور پولیس کی تنخواہیں دینے کے لئے کسی نہ کسی بیرونی ملک یا بین الاقوامی ایجنسی کی محتاج۔

ظاہر شاہ اور اس کے بعد جلد جلد آنے والے کمیونسٹ حکمرانوں کے عہد میں ہر طرح کی بیرونی امداد سوویت یونین سے آتی تھی۔ حکمران کا آنا اور جانا ماسکو کے ہاتھ میں تھا۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ ہر حکومت مسلم تحریکوں کے سخت خلاف تھی اور ہر قیمت پر ان تحریکوں کو کچلنے کے درپے تھی۔ اس کام کے لئے رُوس نواز حکومتوں کو کھلی چھٹی دے دی گئی۔ رُوس نے مسلم رضا کاروں اور مجاہدوں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے ہر قسم کی اقتصادی اور فوجی امداد فراہم کی۔ رُوس کی زبردست سرپرستی کے سبب افغانستان اور اس کی حکومت رُوس کی کٹھ پتلیاں بن کر رہ گئے تھے۔ رُوس کے اشاروں پر داؤد خان' ترہ کئی' حفیظ اللہ امین' ببرک کارمل وغیرہ نے افغانستان میں ابھرتی ہوئی اسلام پسند تحریکوں کو دبانے اور کچلنے کے لئے وہ سب کچھ کیا جو وہ کر سکتے تھے' لیکن جتنا دبایا گیا' یہ تحریکیں اتنی ہی قوت سے مزید ابھرتی چلی گئیں' بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ کمیونزم اور آمریت ہی نے مل کر افغانوں کے اندر اسلام کی سوئی ہوئی محبت کو بیدار کر دیا۔

افغانستان میں تجدید و احیائے اسلام کی بیداری کی یہ تازہ لہر صرف کمیونزم اور آمریت ہی کے

ملاپ کا نتیجہ نہ تھا' بلکہ انقلاب پسندانہ اسلامی خیالات' جو جمال الدین افغانی نے پیدا کئے تھے' ان کی تجدید پچاس کی دہائی میں مصر سے (الاخوان المسلمون کی تحریک کے زیر اثر) آنے والے دانشوروں کی دعوت وتحریک پر ہوئی۔ یہ دانشور یا تو افغان تھے جو قاہرہ میں جامعہ الازہر سے تعلیم حاصل کر کے افغانستان واپس آئے تھے یا عرب تھے جو الازہر کے سند یافتہ تھے اور کابل یونیورسٹی میں اسلامیات پڑھا رہے تھے۔ گویا افغانستان میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کا عزم و پیمان کابل یونیورسٹی کے کمروں اور برآمدوں سے ابھرا۔ خاص طور پر طلبہ کی ایک زیرزمین' خفیہ تنظیم ''نہضت جوانانِ مسلمان'' نے اس معاملے میں سرخیل کا کردار ادا کیا۔ اس سے پہلے جتنی بھی تحریکیں اٹھی تھیں' وہ دیہات سے اٹھی تھیں اور یا تو بیرونی استعماری طاقتوں کے خلاف اٹھتی تھیں یا کسی افغان حکمران کی غیر اسلامی پالیسی کے خلاف اٹھتی تھیں۔ یہ جو نئی تحریک اٹھی' وہ دیہاتی نہیں تھی' شہری تھی۔ اس کا مرکز شہر کابل تھا۔ اس کی تنظیم و قیادت تعلیم یافتہ نوجوانوں کے ہاتھ میں تھی' جنہوں نے کسی شخصی حکمران کو نہیں للکارا تھا' بلکہ مروّجہ سیاسی و اقتصادی نظام کو چیلنج کیا تھا۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ شریعتِ اسلامیہ کے مطابق حکومت قائم کر کے مثبت اور تعمیری اسلامی نظامِ معاشرت و معیشت استوار کیا جائے اور عدل و احسان کے معروف اسلامی نظریات و عقائد کو عملاً نافذ کیا جائے۔ شہر کابل سے ابھرنے والی تحریک کی طرف قصبات اور دیہات کے نوجوان کشاں کشاں بڑھنے لگے۔ یہ زیادہ تر وہ نوجوان تھے جو کالجوں اور مدرسوں میں زیرِ تعلیم تھے۔ رُوس کے حملے کے بعد روایت پسند علماء و مشائخ میں بھی غیر ملکی افواج کے خلاف جہاد کا جذبہ پیدا ہوا اور یوں دیکھتے دیکھتے افغان مجاہدین کا ایک پورا لشکر جمع ہو گیا۔

افغان مجاہدین کی تحریک

۱۹۷۹ء میں جب رُوس نے افغانستان پر فوج کشی کی تو اُس وقت وہاں کی آبادی ڈیڑھ کروڑ کے لگ بھگ تھی جو سکڑ کر اب ایک کروڑ سے بھی کم رہ گئی ہے۔ تقریباً پندرہ لاکھ افغانی رُوسی فوج سے جنگ کے دوران اور بعد میں خانہ جنگی میں شہید ہوئے۔ پچاس لاکھ کے قریب پاکستان' ایران اور دیگر ممالک میں پناہ گزینی پر مجبور ہوئے۔ افغان معاشرہ ملے جلے قبیلوں پر مشتمل ہے' تاہم ثقافت' تہذیب اور لباس میں مماثلت ہے' مگر اِن سب کا مذہب عرصۂ دراز سے ایک ہے' یعنی اسلام جو ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور جس کی اخلاقی قدریں دنیا کے ہر گوشے میں ایک جیسی اور طے شدہ ہیں۔ افغان زیادہ تر سنی مسلک رکھتے ہیں۔ ۱۰ فیصد کے لگ بھگ شیعہ بھی ہیں۔ آسانی کے لئے افغانیوں کو دو بڑے گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ وہ لوگ جو کوہِ ہندوکش کے مشرق اور جنوب میں آباد ہیں' پختون کہلاتے ہیں' جبکہ کوہ ہندوکش کے شمال میں سکونت پذیر لوگوں کی اکثریت تاجک' ترکمان اور ازبک قبیلوں پر مشتمل ہے' اور ان کی ثقافت' زبان اور تاریخ دریائے آمو کے پار رہنے والے روسی مسلمانوں سے ملتی جلتی ہے۔ دریائے آمو کے پار روسیوں کی اکثریت آج بھی مسلمان ہے۔ دری

(بگڑی ہوئی افغان فارسی) سرکاری زبان ہے۔

فوجی نقطۂ نظر سے افغانیوں کو ہر دور میں اور ہر حالت میں' خواہ حالات کتنے ہی ناموافق کیوں نہ ہوں' کوئی مفتوح نہ کر سکا اور نہ ہی اپنے تابع رکھ سکا۔ ۱۹۷۹ء میں روس نے اُن سے نبرد آزما ہونے کی حماقت کی اور آٹھ برسوں کی مسلسل جدوجہد اور بے مثال قربانیوں کے بعد مجاہدین نے روس کو افغانستان چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ یہ بیسویں صدی کا غیر معمولی کارنامہ تھا جو صرف افغان قوم ہی سرانجام دے سکتی تھی۔ اس کے باوجود یہ کہنا کہ افغان کوئی آسمانی اور غیر مرئی مخلوق ہے' مناسب نہ ہوگا۔ وہ بھی ہماری طرح جیتے جاگتے انسان ہیں' ان میں بھی بشری کمزوریاں ہیں۔

بہادری' دلیری' جرأت اور بے خوفی افغان کردار کا محور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ افغانیوں کا ایک گروہ آگ کے الاؤ کے گرد جھرمٹ بنائے گپ شپ کر رہا تھا کہ دو افغانیوں کے درمیان یہ بحث ایک تنازعے کی صورت اختیار کر گئی کہ ان میں سے بہادر کون ہے۔ ثبوت کے لئے اچانک ان میں سے ایک آگے جھکا اور اپنا ہاتھ بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا اور رکھے رکھا یہاں تک کہ گوشت جلنے لگا اور چربی پگھلنے لگی۔ درد کی شدت سے اس کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔ اس نے اپنا منہ مضبوطی سے دبایا ہوا تھا کہ مبادا کوئی آواز نکلے۔ بازو بے پناہ تکلیف کی شدت سے ہلکے ہلکے کانپ رہا تھا۔ جب اس نے ہاتھ آگ کے الاؤ سے نکالا تو فضا میں گوشت جلنے کی بو رچی ہوئی تھی۔ اس کے جلے ہوئے ہاتھ سے چربی مائع کی طرح ٹپک رہی تھی۔ بلاشبہ اس نے بہادری کا مُنہ بولتا ثبوت دے دیا تھا۔ بزدلی افغان معاشرے میں قابلِ نفرت سمجھی جاتی ہے۔

جونہی کمیونسٹوں کے خلاف جہاد کا اعلان ہوا' قبیلوں کے درمیان روایتی رقابتیں اور دشمنیاں وقتی طور پر فراموش کر دی گئیں۔ ایمان کے پکے' راسخ العقیدہ' جذبۂ ایمان سے سرشار مسلمان کافروں کے خلاف میدانِ جنگ میں کود پڑے۔ اپنے مذہب' عزت اور آزادی کو بچانے کے لئے انہوں نے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ عمر کی کوئی قید نہ تھی۔ تیرہ چودہ سال کے لڑکے بھی جہاد میں شامل ہو رہے تھے اور ستر سال کے بوڑھے بھی۔ وہ سب ایک دوسرے کے شانہ بشانہ اللہ کی راہ میں لڑ رہے تھے۔ مجاہد عرفِ عام میں اللہ کا سپاہی کہلاتا ہے۔ دنیا کے ہر گوشے میں مسلمان اس امر پر یقین رکھتا ہے کہ اللہ کی راہ میں لڑنا اور اپنی جان کا نذرانہ دینا ایک مقدس فریضہ ہے۔ جہاد میں شمولیت خوش قسمتی سمجھی جاتی ہے۔ ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کی راہ میں جو بھی قتل ہوا' شہید ہوا۔ شہادت ہر مسلمان کا مطلوب و مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں سے وعدہ ہے کہ جس نے اللہ کی راہ میں شہادت پائی وہ سیدھا جنت میں داخل ہوگا۔ یہ شہید کا رتبہ ہے کہ نہ ہی اسے نہلایا جاتا ہے اور نہ ہی کفنایا جاتا ہے' بلکہ انہی خون آلودہ کپڑوں میں جس طرح اس نے اللہ کی راہ میں جان دی' دفنایا جاتا ہے' تاکہ وہ اسی حالت میں اللہ کے روبرو پیش ہو جس حالت میں اس نے اپنی جان کا نذرانہ دیا تھا۔ اسلام میں شہادت سے بڑھ

کر کوئی اور رتبہ نہیں اسی لئے افغان مجاہدین کا کمانڈر اپنی لڑائی کی تفصیل کی ابتدا یوں کرتا ہے:
''الحمدللہ اس معرکے میں ہمارے اتنے بھائی شہید ہوئے''۔

باہمی خانہ جنگی

جب تک روسی افواج (اپریل ۱۹۹۲ء) افغانستان میں رہیں' اسلام اور جہاد کی خاطر مجاہدین بھی بہت حد تک متحد رہے' لیکن یہ امر بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ جہاد بھی ان کے درمیان سے دیرینہ رقابتیں' کدورتیں' نفرتیں اور دشمنیاں ختم نہ کر سکا۔ جہاد کے ساتھ ساتھ باہمی خانہ جنگی بھی ہوتی رہی۔ تاہم جہاد کی وجہ سے ان لڑائیوں میں خاصی کمی رہی' لیکن روسی افواج کی واپسی کے ساتھ ہی خانہ جنگی شروع ہوگئی' اور ان دو گروہوں میں دوبارہ سیاسی کشمکش اور عسکری محاذ آرائی کا آغاز ہوا جن کو بین الاقوامی میڈیا نے بنیاد پرست اور اعتدال پسند کا نام دے رکھا تھا۔ دونوں گروہوں کے سیاسی عزائم اور نظریات میں واضح فرق تھا۔ اعتدال پسند مغربیت زدہ تھے اور مغربی رسم و رواج اور لباس کے خلاف شدت کا مظاہرہ نہ کرتے تھے۔ اس کے برعکس بنیاد پرست سخت مخالفت کرتے۔ اعتدال پسند عورتوں کی آزادی اور ان کے پتلون پہننے کو برا نہ سمجھتے' لیکن ''اسکرٹ'' برداشت نہ کرتے۔ بنیاد پرست پتلون اور اسکرٹ دونوں کے خلاف تھے۔

بنیاد پرست گروپ کے سب سے مشہور مگر نزاعی لیڈر گل بدین حکمت یار تھے۔ یہ ۱۹۴۶ء میں پیدا ہوئے۔ کابل ملٹری سکول اور یونیورسٹی سے انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۷۲ء میں انہیں کمیونزم کی شدید مخالفت کی بنا پر دو سال جیل کی سزا سنائی گئی۔ افغانستان میں اسلامی حکومت کے قیام کے علمبردار سمجھے جاتے تھے۔ اپنی راست گوئی' انتظامی خوبیوں اور ایمانداری کی وجہ سے خاصے مشہور ہیں۔ تمام مالی وسائل دستیاب ہونے کے باوجود فقیرانہ زندگی اختیار کی۔ خود پسند اور ڈسپلن کے معاملے میں سخت گیر ہیں۔ اصولوں کی سختی سے پابندی کرتے ہیں۔ امریکہ کی شدید مخالفت کی بنا پر مغربی دنیا میں انہیں شہرت بھی ملی۔ تاہم مغربی میڈیا نے ان کے خلاف بے بنیاد اور زہریلا پروپیگنڈا بھی بہت کیا۔

دوسرے بنیاد پرست لیڈر مولوی محمد یونس خالص' پروفیسر برہان الدین ربانی اور استاد عبدالرب رسول سیاف ہیں۔ مولوی خالص ۷۵ سالہ بزرگ ہیں اور ضعیفی میں بھی جہاد کے لئے افغانستان کے دور دراز علاقوں میں جاتے رہے ہیں۔ پروفیسر ربانی تاجک ہیں اور بلند پایہ عالم و فاضل ہیں۔ چھ سات زبانوں میں بات چیت کر سکتے ہیں۔ استاد سیاف قابلِ احترام دانشور ہیں۔ عربی زبان پر مکمل دسترس اور عبور رکھتے ہیں۔ انہیں ان کی گراں قدر ادبی خدمات کے صلے میں شاہ فیصل ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔ اہل عرب' خاص طور سے سعودی حکومت اور دانش وروں میں بے حد مقبول ہیں۔

مولوی محمد نبی محمدی' پیر سید احمد گیلانی عرف آفندی اور صبغت اللہ مجددی اعتدال پسند لیڈروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ مولوی محمد نبی کی جماعت فی الحقیقت بنیاد پرست ہے۔ تاہم وہ اپنی کمزور شخصیت کی وجہ سے اعتدال پسندوں کے ہاتھ میں کھلونا بنے رہے۔ پیر گیلانی نرم مزاج' خوش گفتار اور آرام پسند لیڈر کے طور پر مشہور ہیں۔ سال کا کچھ عرصہ مغربی ممالک میں گزارنا پسند کرتے ہیں۔ جمہوریت پسند ہیں' لیکن نرم طبیعت کی وجہ سے اپنی پارٹی پر سختی سے ڈسپلن قائم نہیں رکھ سکے۔ حضرت مجددی ہفت زبان ہیں۔ اسلام کے بڑے مفکروں میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے کابل جیل میں چار سال کی سزا میں سے تین سال قید تنہائی میں گزارے۔ ان پر الزام یہ تھا کہ انہوں نے روسی وزیراعظم خروشیف کو دورۂ کابل کے دوران قتل کرانے کی کوشش کی تھی۔

افغان گروپوں میں اتحاد کے باوجود ان لیڈروں اور کمانڈروں کے درمیان عدم تعاون اور نااتفاقی بھی جاری تھی۔ کمانڈروں کی ذاتی رنجشیں اور نااتفاقیاں اتحاد کے (بار بار) معاہدے ہونے کے بعد بھی ختم نہ ہوئیں۔ معمولی رنجشوں اور بدگمانیوں کی وجہ سے کمانڈروں نے پارٹیاں بھی بدلنی شروع کر دیں۔ بعض کمانڈروں نے اپنے زیر تسلط علاقہ دوسرے کمانڈروں کے لئے ممنوعہ قرار دے دیا۔ وہ کسی اور کمانڈر یا جماعت کو اپنے علاقہ میں جہاد کی بھی اجازت نہ دیتے اور چند ایک تو دوسرے کمانڈروں اور اُن کے آدمیوں کو اپنے علاقے سے گزرنے بھی نہ دیتے تھے۔ وہ معمولی معمولی باتوں پر آپس میں اُلجھ پڑتے۔

عبوری کونسل

۱۹۸۸ء میں ''جنیوا معاہدے'' کے بعد ڈاکٹر نجیب اللہ خان کی حکومت روسی امداد و اعانت سے محروم ہوگئی۔ تاہم انہوں نے برائے نام مجاہدین کا بھرپور مقابلہ کیا۔ جلال آباد اور خوست کے مقام پر دونوں گروپوں کو شدید افرادی اور مالی نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ جنگ ۱۹۹۱ء تک جاری رہی یہاں تک کہ مجاہدین نے کابل پر قبضہ کر لیا۔ ۱۸ر مارچ ۱۹۹۲ء کو جنرل رشید دوستم کی بغاوت کی وجہ سے مزار شریف بالواسطہ مجاہدین کے ہاتھ آ گیا۔ ۱۶ر اپریل ۱۹۹۲ء کو ڈاکٹر نجیب اللہ مستعفی ہونے پر مجبور ہو گیا۔ اس طرح جہاد کا دوسرا مرحلہ بھی اپنے انجام کو پہنچا۔

مجاہدین کی جدوجہد کا تیسرا مرحلہ جو ۱۶ر اپریل ۱۹۹۲ء سے شروع ہوتا ہے' دراصل جہاد نہیں' بلکہ اقتدار کی کشمکش کا مرحلہ ہے۔ ۲۳ر اپریل ۱۹۹۲ء کو حکومت پاکستان کی کوششوں سے کابل کا اقتدار سنبھالنے کے بعد مجاہدین کی مختلف جماعتوں کا ایک عبوری کونسل پر اتفاق ہو گیا' جسے ''معاہدۂ پشاور'' کا نام دیا گیا۔ حکمت یار کو وزارتِ عظمیٰ کی پیش کش کی گئی' مگر حکمت یار نے اس معاہدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کابل پر حملہ کر دیا۔ ۲۸ر اپریل کو پروفیسر صبغت اللہ نے کابل میں دو ماہ کے لئے افغانستان کے پہلے سربراہ کا عہدہ سنبھال لیا۔ ۲۸ جون کو چار ماہ کے لئے پروفیسر برہان الدین ربانی کو صدر منتخب

کیا گیا۔ پروفیسر ربانی نے اقتدار سنبھالتے ہی حکمت یار سے اپیل کی کہ وہ وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ سنبھال لیں۔ حکمت یار نے اپنے کمانڈر استاد فرید کو وزیراعظم نامزد کیا۔ ۶ جولائی کو وہ کابل پہنچے۔ مدتِ اقتدار ختم ہونے کے بعد ربانی نے خود ساختہ جرگے کے ذریعے اپنے دورِ اقتدار میں توسیع کر لی۔

باہمی اختلافات کے باعث خانہ جنگی وقفوں وقفوں سے جاری رہی۔ پروفیسر ربانی اور احمد شاہ مسعود کی فوجوں نے نہ صرف پشتونوں کو بے دردی سے قتل کر دیا بلکہ اہل تشیع پر بھی بہت مظالم کیے۔ شروع میں اہل تشیع اور احمد شاہ مسعود کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ بعد میں گلبدین حکمت یار اور اہل تشیع کے درمیان جنگ شروع ہوگئی۔ چند ماہ بعد احمد شاہ مسعود اور حکمت یار کے درمیان ایک نہ ختم ہونے والی جنگ شروع ہوگئی' جس کے دوران میں دونوں نے ہزاروں بے گناہ افغانوں کو قتل کر دیا۔ حکمت یار نے کابل شہر سے تعلق رکھنے والے چالیس ہزار افراد قتل کیے اور روزانہ ۳۵۰۰ میزائل کابل شہر پر پھینکتے تھے' جبکہ احمد شاہ مسعود نے نہ صرف شہر کابل کو لوٹا بلکہ پشتو بولنے والے افغانوں کا قتل عام کیا۔ پروفیسر ربانی' احمد شاہ مسعود اور حکمت یار کے درمیان طویل خانہ جنگی کے نتیجے میں لاکھوں بے گناہ افغان مارے گئے۔

۷ مارچ ۱۹۹۳ء کو اسلام آباد میں ایک اور معاہدہ ہوا' جسے افغانستان کے تمام فریقوں نے تسلیم کیا۔ حکمت یار نے وزیراعظم بننا قبول کر لیا۔ افغان رہنماؤں نے خانہ کعبہ اور مسجد نبویؐ میں بھی اس معاہدہ پر خلوصِ نیت سے عمل کرنے کا عہدہ کیا اور جدہ میں شاہ فہد کی موجودگی میں اس معاہدے کے عربی متن پر دستخط کیے۔ مگر معاہدہ پر عمل نہ کیا گیا اور چند ہی روز بعد خونریز معرکے میں ایک ہزار سے زیادہ افغان مارے گئے۔ ۲۹ اپریل کو جلال آباد میں ایک بار پھر افغان رہنما اکٹھے ہوئے اور اکیس روز کے مذاکرات کے بعد ۱۹ مئی کو ''میثاق جلال آباد'' پر دستخط کر دیئے۔ معاہدوں پر معاہدے ہوتے گئے' مگر حالات جوں کے توں رہے۔ ۱۹۹۳ء کے اختتام پر جنرل دوستم کی ربانی حکومت کے خلاف بغاوت کے نتیجے میں کابل ایک بار پھر جنگ کی لپیٹ میں آ گیا۔ اس کے علاوہ ایران نواز ''حزبِ وحدت'' کی سعودی نواز ''اتحادِ اسلامی'' اور حکومت سے جنگ جاری رہی۔

طالبان کا ظہور

افغان کمانڈروں کی خانہ جنگی' لوٹ مار' قتل و قتال اور غنڈہ گردی کے ردعمل کے طور پر اکتوبر ۱۹۹۴ء میں قندھار میں طالبان کا ظہور ہوتا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک کے بعد دوسرا علاقہ فتح کرتے چلے جاتے ہیں۔ کوئی بھی مجاہد تنظیم ان کے سامنے ٹھہرنے کی جرأت نہیں کر پاتی۔ حکمت یار بھی اپنا مرکز چہار آسیاب ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔ کچھ دیر انتظار کرتے ہیں اور پھر طالبان کا مقابلہ کرنے کے لئے دوبارہ پروفیسر ربانی سے اتحاد کر لیتے ہیں۔ ۲۶ جون ۱۹۹۶ء کو وزارتِ عظمیٰ کا حلف اٹھا لیتے ہیں' مگر اب بہت دیر ہو چکی ہے۔ اگر یہ حلف ۲۸ اپریل ۱۹۹۲ء کو اٹھایا جاتا تو صورتِ حال

مختلف ہوتی۔ اب حالات کنٹرول سے باہر ہیں۔ ان کے زیادہ تر مجاہدین ان کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ ۲۶ اور ۲۷ ستمبر ۱۹۹۶ء کی درمیانی شب طالبان کابل پر قابض ہو جاتے ہیں۔ تمام سابق مجاہد گروپوں کی متحدہ قوت بھی ان کا مقابلہ نہیں کر پاتی۔

طالبان کا ظہور کیوں اور کیسے ہوا؟ اس بارے میں معروف کمانڈر جلال الدین حقانی نے ایک انٹرویو میں ماہنامہ ''بیدار ڈائجسٹ'' کے مدیر ملک احمد سرور صاحب کو بتایا:

''طالبان کا گروہ افغان خانہ جنگی اور افغانستان میں ہونے والے جرائم کے ردعمل کے طور پر وجود میں آیا ہے۔ روس کے خلاف جہاد افغانستان کے بعد جب اقتدار کی جنگ کی صورت میں خانہ جنگی شروع ہوئی تو مخلص اور بے لوث مجاہدین اقتدار کی جنگ میں ملوث پارٹیوں کو چھوڑ گئے۔ ڈاکو' چور' کمیونسٹ اور دیگر جرائم پیشہ عناصر ان پارٹیوں میں شامل ہو گئے۔ ان لوگوں نے شرفاء کے لئے افغانستان کو جہنم بنا دیا۔ ٹیکس لینے کے لئے جگہ جگہ راستوں پر پھاٹک اور زنجیریں لگا دیں۔ اغوا' زنا' ڈاکے اور چوریاں عام ہو گئیں۔ ان سب جرائم میں مجاہدین کے بھیس میں یہی لوگ ملوث تھے۔ کسی کا مال' جان اور عزت محفوظ نہ رہی۔ مولوی محمد عمر مجاہد جو تحریک طالبان کے بانی ہیں' وہ قندھار میں ایک بس میں بیٹھے جس میں بارات جا رہی تھی۔ اسے روک کر لوٹا گیا۔ بات لوٹنے پر ختم نہ ہوئی۔ دولہن کو دیکھ کر نام نہاد کمانڈر نے کہا کہ یہ تو ہماری خاتون ہے جو گم ہو گئی تھی۔ دولہا کو قتل کر کے دولہن کو ساتھ لے گئے۔ مولوی محمد عمر اپنے مدرسے میں آئے۔ علاقے کے علماء کو بلایا اور انہیں بتایا کہ نام نہاد مجاہدین یہ کچھ کر رہے ہیں۔ علماء نے متفقہ طور پر فتویٰ دیا کہ ان چوروں' ڈاکوؤں' قاتلوں اور لٹیروں کے خلاف ''جہاد'' فرض ہے۔ جہاد کرتے ہوئے جو مارا جائے گا' وہ شہید کہلائے گا' جبکہ مخالفین میں سے جو مرے گا وہ مردار اور جہنمی ہو گا۔ اس فتوے کے بعد مولوی عمر نے علماء' دکانداروں اور دوسرے شرفاء کی مدد سے ''طالبان'' کو منظم کیا اور سپین بولدک سے جہاد کا آغاز کیا۔ عصمت ملیشیا کا کمانڈر امیر لالہ ایک چور تھا۔ طالبان نے عصمت ملیشیا کا خاتمہ کر دیا۔ پروفیسر ربانی کا کمانڈر نقیب اللہ اور گلبدین حکمت یار کا کمانڈر سرکاتب بھی جرائم پیشہ تھے۔ طالبان کا منشور بہت مختصر تھا: ''امن و امان قائم کریں گے۔ راستے کھولیں گے۔ زنجیریں توڑیں گے اور اسلامی شریعت نافذ کریں گے۔''

انہوں نے قرآن مجید ہاتھ میں لیا اور جہاد کے لئے نکل پڑے۔ لوگ ربانی' حکمت یار' دوستم' احمد شاہ مسعود کی باہمی خانہ جنگی اور دیگر جرائم پیشہ عناصر سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ اس لئے انہوں نے طالبان کا خیر مقدم کیا۔ تمام جماعتوں کے اصلی مجاہدین ان میں شامل ہوتے گئے''۔

طالبان سپین بولدک پر قبضہ کرنے کے بعد زابل اور غزنی کی طرف بڑھے۔ انہوں نے مجاہدین کے تمام گروپوں سے اپیل کی کہ وہ اقتدار ان کے حوالے کر دیں' لیکن ان کو حقیر اور معمولی سمجھ کر کسی نے ان کی اپیل پر توجہ نہ کی۔ بعد ازاں طالبان نے صوبہ پکتیا' غزنی' زابل اور وردک پر قبضہ کر لیا اور کابل کی

طرف پیش قدمی۔ چہار آسیاب پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ گلبدین حکمت یار فرار ہو گئے اور شیعہ لیڈر مزاری کو قتل کر دیا گیا۔ طالبان کابل پر نہایت آسانی سے قابض ہو گئے۔ لٹیروں اور چوروں کو بھگا دیا۔ شہر میں فوراً امن و امان ہو گیا۔ شہری خوشی سے رقص کرنے لگے۔ طالبان نے کابل پر قبضہ کرنے کے بعد شمالی افغانستان کی طرف پیش قدمی کی۔ چند ماہ بعد وہ مزار شریف کے قریب پہنچ گئے۔ مزار شریف میں جنرل مالک' ایران اور روس نے انہیں شکست دینے کا منصوبہ بنایا۔ دو ماہ بعد جب انہوں نے مزار شریف پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا تو اچانک شمالی اتحاد کی فوجوں نے چاروں طرف سے ان پر یلغار کر دی۔ ان حملوں میں ہزاروں طالبان اور دوسرے سعادت مند مجاہدین مارے گئے۔ احمد شاہ مسعود کی فوجوں نے بہت سے لوگوں کو ہلاک کر کے جلا دیا۔ ہزاروں افغانوں کو اجتماعی قبروں میں دفن کر دیا۔

جنوری ۱۹۹۸ء میں طالبان نے قومی فوج کی تشکیل کا کام شروع کیا اور افغانستان کے تمام باشندوں کو اس میں شمولیت کی دعوت دی۔ ۲۰ راگست کو امریکہ نے ایک کروز میزائل طالبان کے ایک تربیتی مرکز پر پھینکا' جس کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اسامہ بن لادن کی پناہ گاہ تھا۔ اسامہ ایک عرب کروڑ پتی اور امریکی استعمار پسندی کا دشمن مردِ حر ہے۔ امریکہ کا یہ مطالبہ کہ اس کو اس کے سپرد کیا جائے' طالبان نے منظور نہیں کیا۔ امریکہ نے اعلان کیا کہ اسامہ دہشت گرد ہے۔ اسی نے امریکہ کے خیال میں ۷ اگست کو کینیا اور تنزانیہ میں امریکی سفارت خانوں پر بم پھنکوائے تھے۔ ۱۹۹۹ء اور ۲۰۰۰ء کے دوران میں امریکہ اور اس کے حواریوں کے دباؤ پر اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے قرار دادیں منظور کر کے طالبان سے مطالبہ کیا کہ وہ دہشت گردوں کو پناہ دینے سے باز آئیں اور اسامہ بن لادن پر مقدمہ چلانے کے لئے انہیں امریکہ کے حوالے کر دیں' لیکن طالبان نے کسی ثبوت کے بغیر اسامہ کو اپنی پناہ سے باہر کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس وقت تک طالبان نے افغانستان کے ۹۰ فیصد سے زیادہ علاقے پر قبضہ کر لیا تھا اور ان کی حکومت کو تین ملکوں یعنی پاکستان' سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات نے ''جائز حکومت'' کے طور پر تسلیم کر رکھا تھا۔

ستمبر ۲۰۰۱ء میں شمالی اتحاد کا گوریلا لیڈر احمد شاہ مسعود قتل ہوا' جس سے طالبان کے خلاف شمالی اتحاد کی فوج کو سخت ضعف پہنچا۔ چند روز کے بعد ۱۱ ستمبر کو نیویارک کا ''ٹریڈ سنٹر'' خودکش ہوائی حملے کے ذریعے تباہ کیا گیا۔ امریکی افواج کے ہیڈ کوارٹر پر اسی روز ہوائی حملے ہوئے۔ امریکہ نے کسی قسم کا شبہ ظاہر کئے بغیر صاف ہی اعلان کر دیا کہ اس ساری کارروائی میں اسامہ بن لادن کا ہاتھ ہے۔

طالبان نے امریکہ کا یہ مطالبہ ماننے سے صاف انکار کر دیا کہ ''دہشت گرد'' اسامہ بن لادن کو اس کے حوالے کر دیا جائے۔ امریکہ نے اپنے حواریوں کے ساتھ مل کر ۷ راکتوبر سے طالبان کے تربیتی کیمپوں اور افغانستان کی فوجی چھاؤنیوں اور تنصیبات پر روزانہ صبح شام بمباری شروع کر دی۔ پانچ ہفتوں کی مسلسل بمباری اور شدید مزاحمت کے بعد امریکہ نے ایک چال چلی اور طالبان کے

دیرینہ دشمن ''شمالی اتحاد'' کو ساتھ ملا کر مزار شریف اور دارالحکومت کابل پر قبضہ کرنے کے لئے انتہائی تیز رفتاری سے بھرپور حملے کئے۔ ۷ دسمبر کو طالبان کی حکومت کا خاتمہ ہوا' جب ان کا آخری مرکز قندھار بھی امریکہ کے زیر تسلط آ گیا۔ لیکن طالبان اور اسامہ کی قائم کردہ عالمی تنظیم ''القاعدہ'' اور ان کے ہم خیال مجاہدین روپوش ہو کر امریکہ اور ان کے اتحادی فوجیوں کے خلاف چھاپہ مار حملے کرتے رہے۔ طالبان کے قائد ملا محمد عمر بھی اسامہ بن لادن کی طرح زیر زمین روپوش ہو گئے۔ امریکہ کی جاسوس ایجنسیوں کا خیال تھا کہ اسامہ تورا بورا پہاڑ کے کسی غار میں چھپے ہوئے ہیں۔

امریکہ نے اقوام متحدہ کو ساتھ ملا کر افغانستان کی اقتصادی بحالی اور ایک مستحکم حکومت قائم کرنے کے لئے ۲۵ ارب ڈالر کی امداد دینے کا اعلان کیا' لیکن افغانستان کی پیچیدہ صورت حال' دیرینہ لسانی و نسلی اختلافات اور حالیہ جنگ کے اثرات کے باعث وہاں ایک وسیع البنیاد نمائندہ حکومت قائم کرنا ناممکن ہو گیا۔ دسمبر ۲۰۰۱ء میں اقوام متحدہ کی کوششوں سے حامد کرزئی کو عبوری حکومت کا سربراہ بنایا گیا۔ وہ پشتون ہیں اور پانچ لاکھ تعداد والے پوپلزئی قبیلے کے رہنما ہیں۔ جون ۲۰۰۲ء میں پندرہ سو نمائندوں پر مشتمل لویا جرگہ منعقد ہوا جس نے حامد کرزئی کو عبوری حکومت کا سربراہ باقاعدہ طور پر تسلیم کر لیا۔ ان کی عبوری حکومت کی میعاد آئندہ سال ۲۰۰۴ء میں ختم ہو جائے گی جب عام انتخابات ہوں گے۔

افغانستان کا مستقبل

طالبان کی حیرت انگیز اور انتہائی تیز رفتار ترقی' افغانستان میں مثالی امارتِ اسلامی کا قیام' اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہو جانا جہاں دین و ملت کا درد رکھنے والے مسلمانوں کے لئے شدید رنج و صدمے کا موجب بنا' وہاں اپنے پیچھے کچھ ایسے سوالات بھی چھوڑ گیا جو مخلص مسلمانوں کے لئے شدید الجھن کا باعث بنے۔ طالبان کی یک بیک پسپائی اور طرزِ پسپائی کے حوالے سے بھی بعض تلخ معاملات اخبارات کی زینت بنتے رہے' اور اب تک ان کے طرزِ حکومت اور زوال کے اسباب پر اخبارات میں تبصرے آتے رہتے ہیں۔ لیکن ان کے زوال سے زیادہ اب ''عروجِ نو'' کے قصے زبان زدِ عام و خاص ہیں۔ اب پوری دنیا کو معلوم ہو گیا ہے کہ طالبان پسپا نہ ہوئے تھے' روپوش ہو گئے تھے اور اب پھر وہ افغانستان کے مستقبل کی امید گاہ بنے ہوئے ہیں۔

مشہور ٹیلی ویژن نیٹ ورک ''اے بی سی نیوز'' کے نمائندے جان ملر نے ۲۰ راگست ۱۹۹۸ء کو (امریکی میزائلوں کے حملے سے بہت پہلے) جنوبی افغانستان کے دشوار گزار پہاڑی علاقوں میں کسی مقام پر جدید افغانستان اور دنیائے اسلام کے مجاہد ہیرو اسامہ بن لادن کے خفیہ ٹھکانے پر جا کر ایک انٹرویو لیا تھا۔ افغانستان کے مستقبل کے بارے میں' جبکہ ابھی ''طالبان'' رونما نہیں ہوئے تھے' جان ملر نے یہ سوال پوچھا تھا: ''کسی کو یہ توقع نہیں تھی کہ مجاہدین افغانستان میں شاندار فتح حاصل کر کے

روسیوں کو نکال باہر کریں گے۔ آپ مستقبل میں افغانستان اور مشرقِ وسطیٰ میں امریکیوں کی مداخلت کے بارے میں کیا دیکھتے ہیں؟''

اسامہ بن لادن نے جواب دیا تھا: ''نیٹو نے' جو کہ امریکہ کی تخلیق ہے' یورپ اور امریکہ کو روسی خطرے سے بچانے کے لئے اسلحے کی سپلائی کو بہتر بنانے کے لئے ۴۵۵ بلین ڈالر خرچ کئے' لیکن انہوں نے ایک شاٹ بھی فائر نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کی تائید مسلمانوں' افغان مجاہدوں اور دیگر ممالک کے رضا کاروں کے ساتھ تھی۔ ہم روسیوں اور سوویت یونین والوں سے لڑے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم نے انہیں شکست دی' بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے انہیں شکست دی۔ ان کا وجود ہی ختم ہو گیا۔ سوویت یونین دسمبر ۱۹۷۹ء کے آخری ہفتے میں افغانستان میں داخل ہوا تھا اور اللہ کی تائید سے چند سال بعد ۲۵ دسمبر کو اس کا جھنڈا ہمیشہ کے لئے نابود ہو گیا اور سوویت یونین نام کی کسی چیز کا وجود باقی نہیں رہا۔

رہ گیا امریکہ' تو ہم اس کی پروا نہیں کرتے کہ امریکہ کیا کہتا ہے۔ ہم اپنے آپ کو اور اپنے بھائیوں کو اللہ کا پیروکار سمجھتے ہیں' جس نے ہمیں اپنی عبادت کرنے' انبیاء کرام پر ایمان لانے اور مقدس کتابوں پر عمل کرنے کے لئے پیدا کیا۔ میں بھی اللہ کے بندوں میں سے ایک ہوں۔ میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں' جس میں یہ بھی شامل ہے کہ میں جہاد کروں اور اللہ کے نام کی سربلندی کے لئے امریکہ کو مسلم سرزمین سے نکال پھینکوں۔ ہمیں اللہ کی نصرت پر پورا یقین ہے اور اب کے فتح امریکیوں اور یہودیوں کے خلاف ہو گی' جن کے بارے میں نبی آخر الزماں ﷺ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ''قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی' جب تک مسلمانوں اور یہودیوں کی جنگ نہیں ہو گی۔ جہاں پر یہود درختوں اور پتھروں کے پیچھے چھپے ہوں گے درخت اور پتھر بول اٹھیں گے کہ اے مسلمان! میرے پیچھے یہودی چھپا ہے آؤ اور اسے قتل کرو' سوائے یہودیوں کے اپنے مخصوص درخت کے''۔ ہمیں اپنی فتح کا پورا یقین ہے۔ امریکیوں سے ہماری جنگ یہودیوں کی جنگ سے زیادہ بڑی ہے۔ امریکیوں نے بہت بڑی حماقت کی ہے۔ انہوں نے دو سو ملین مسلمانوں کے قبلے کی بے حرمتی کرنے کی غلطی کی۔ مسلم دانشوروں اور نوجوانوں کا ردِعمل بہت حوصلہ افزا رہا۔ ہم امریکہ کے لئے یومِ سیاہ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے پارہ پارہ ہونے' اور ہماری سرزمین سے اپنی لاشیں اٹھا کر واپس لے جانے کی پیش گوئی کرتے ہیں' ان شاء اللہ!''

اسامہ بن لادن کی یہ پیش گوئی حرف بہ حرف درست ثابت ہوئی۔ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ ہوا اور ۱۲ ستمبر کو امریکی صدر جارج بش نے بلا جھجک اور بلا ثبوت ان حملوں کا تمام الزام اسامہ بن لادن اور ''القاعدہ'' پر لگایا۔ اس الزام کے محض آٹھ دن بعد ۲۰ ستمبر کو صدر بش کے مُنہ سے ''صلیبی جنگ'' کے نعرے کے ساتھ افغانستان پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے پہلا حملہ کر کے جنگ کا آغاز کیا۔ ۶ دن مسلسل سینہ سپر رہنے کے بعد طالبان نے کابل خالی کر دیا اور ۷ دسمبر ۲۰۰۱ء کو قندھار خالی کرتے ہی دنیا نے ''سقوطِ طالبان'' اور ''سقوطِ افغانستان'' کے نعرے سنے۔

ان نعروں کے نقار خانے میں ایک آواز غزنی شہر کے ایک نوعمر طالب علم ملازئی کی بھی تھی۔ اس نے کہا تھا: ''ہم امریکہ کے ساتھ قیامت تک لڑیں گے''۔ ایک بار پھر طالبان' افغانستان کی ان سنگلاخ چٹانوں میں پہنچ گئے ہیں جہاں سے وہ ۱۹۹۴ء کے موسم بہار میں نکل کر قندھار پہنچے تھے اور ایک بار پھر گوریلا جنگ شروع ہے۔ اکتوبر ۲۰۰۱ء سے ستمبر ۲۰۰۳ء تک' انتہائی محتاط اور تصدیق شدہ ذرائع کے مطابق ''طالبان'' نے ۲۴۳۰ امریکیوں اور اتحادیوں کو ہلاک کیا' ۸۰۸ کو زخمی کیا' جبکہ ۲۱۴ فوجی گرفتار کر لئے گئے۔ اقوام متحدہ کے انڈر سیکریٹری جنرل نے ۲۵ اکتوبر ۲۰۰۳ء کو اپنی رپورٹ میں لکھا ہے: ''افغانستان کے کچھ حصوں پر طالبان کا غلبہ ہے۔ قندھار اور پکتیا کے سرحدی اضلاع میں طالبان اپنا کنٹرول قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ طالبان' القاعدہ اور حزب اسلامی کے ارکان بے خوف وخطر سرحد پار سے آ کر حملے کرتے ہیں' جن سے امن وامان کی صورت حال ابتر ہے اور عدم تحفظ کا احساس ہے۔ حامد کرزئی حکومت طالبان کے آگے کمزور دکھائی دیتی ہے''۔

اسامہ بن لادن اور ملا محمد عمر ابھی زندہ ہیں اور افغانستان کی پہاڑیوں میں بیٹھ کر ''طالبان'' کی گوریلا جنگ کی کمان کر رہے ہیں۔ امریکہ اور اس کے اتحادی روزانہ اپنے سپاہیوں کی لاشیں اٹھا کر واپس لے جا رہے ہیں۔ امریکہ کا مجاہدین کی اس سرزمین سے بھاگ جانا مقدر ہے۔ افغانیوں کا آزادی اور اقتدارِ اعلیٰ حاصل کرنا قانونِ قدرت کا عین تقاضا ہے۔

افغان باقی' کہسار باقی الحکم للّٰہ' الملک للّٰہ!

کتابیات

اس مضمون کی تیاری میں درج ذیل کتب ورسائل سے مدد لی گئی ہے' جس کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں:

(۱) شکستِ روس	بریگیڈیئر محمد یوسف۔ میجر مارک ایڈکن
(۲) اسامہ بن لادن	ابن عطا
(۳) جہادِ افغانستان	ملک احمد سرور
(۴) افغان باقی' کہسار باقی	سید ارشاد احمد عارف
(۵) افغانستان اور وسطی ایشیا کا مستقبل	موسیٰ خان جلال زئی
(۶) ضربِ درویش	محمد ریاض درانی
(۷) اردو ڈائجسٹ	متعدد شمارے
(۸) ماہنامہ ''بیدار ڈائجسٹ''	متعدد شمارے
(۹) ٹائم المانک ۲۰۰۳ء	(انگریزی)
(۱۰) اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ	جلد دوم
(۱۱) افغانستان میں طالبان تحریک	مائیکل گریفن (انگریزی)